کچن

جدید جاپانی ادب کا مقبول ترین ناول



بانانا یوشی موتو

مترجم: خرم سہیل

کچن

(دنیا کی 35 زبانوں میں ترجمہ ہونے والا جاپان کا مقبول ترین ناول)

بانانا یوشی موتو

مترجم

خرم سہیل

راحیل پبلی کیشنز کراچی

پاکستان

کتاب کا نام .... کچن
مترجم .... خرم سہیل
سرورق .... شمیم باذل
برقی لے کاری .... نعمان شیخ
کمپوزنگ .... محمد آصف
اشاعت 2015ء
قیمت .... -/300 روپے
ناشر .... راحیل پبلشرز، اُردو بازار کراچی

☆

اسٹاکسٹ

توکّل اکیڈمی

شاپ نمبر 31، نوشین سینٹر، نیو اُردو بازار۔ کراچی
موبائل: 0321-2524561 - 0321-8762213
فون: 021-32217471
ای میل: tawakkalacademy@yahoo.com

انتساب

جاپان کے تین شاندار ناول نگاروں کے نام

یاسوناری کاواباتا

کنزوبوروا وے

ہاروکی موراکامی

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

پیش لفظ

عالمی ناول نگاری میں کئی ایسے ناول نگار گزرے ہیں ،جنھوں نے ایک ناول ایسا لکھا، جو عمر بھر کے لیے اُن کی شناخت بن گیا۔ایشیا کے ممالک میں جاپان بھی ایک ایسا ہی ملک ہے جہاں ناول تخلیق کرنے والے کئی بڑے نام پیدا ہوئے، جن میں 2 نوبیل انعام یافتہ ناول نگار''یاسوناری کاواباتا''اور''کنزابوروئے'' بھی شامل ہیں۔جاپانی ادب کے عہد جدید میں ان ادیبوں کی تحریریں پڑھنے والوں کوسحر میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

''بانانا یوشی موتو'' نے ''کچن'' کے موضوع کولطیف پیرائے میں لکھا۔ ناول کو پڑھتے ہوئے گمان ہوتا ہے، جیسے یہ ہمارے معاشرے کی کہانی ہے۔ اس کہانی میں مرکزی کردار''میکاگے ساکورائی'' لڑکی کا ہے جو مزاج کے لحاظ سے آرٹسٹ ہے۔دنیا کو مختلف نظر سے دیکھتی ہے۔فطرت کی خوبصورتی کو دل کی گہرائی سے محسوس کرتی ہے۔ رشتے اور ناطے اس کی نظر میں بہت اہم ہیں۔وہ اپنی روایات کی پاسداری کرتی ہے، مگر جدید زندگی کے تقاضے بھی پورے کرتی ہے۔یہ لڑکی محسوسات کو اپنا سرمایہ تصور کرتی ہے، لیکن زندگی صرف تصور کے زور پر نہیں گزرتی، ہر انسان کی زندگی میں کچھ رکاوٹیں اور مسائل درپیش ہوتے ہیں اب حالات کے اتار چڑھاؤ میں انسان کس طرح خود کو محفوظ رکھتا ہے،اس کردار میں اس کو عملی طور پر کھایا گیا ہے۔عہد حاضر کی تیز رفتار زندگی پر

حاوی ہو جانے والے جذبات کے درمیان زندگی بسر کرنے کا فن، اس ناول کا مرکزی خیال ہے۔

دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں جس کا تعلق کچن یعنی باورچی خانے سے نہ ہو۔ پاکستان میں تو اکثر باصلاحیت خواتین خود کو کچن کا پابند کر لیتی ہیں۔ یہ ناول بتاتا ہے، اگر آپ آرٹسٹ ہیں، تو کچن بھی آرٹ گیلری بن سکتا ہے۔ زندگی کچن کی کھڑکی سے بھی خوبصورت نظر آ سکتی ہے۔ پکوان کی خوشبو دل جیت سکتی ہے اور کافی کا کپ بھی یادوں کی مہک کو اپنے اندر سمو سکتا ہے۔ بات صرف محسوسات کی ہے۔ ''بانانا یوشی موتو'' نے اپنے قلم کو انہی جذبات کی روشنائی میں ڈبو کر لکھا ہے۔

یہ ناول جدید جاپان کے طرزِ زندگی کی جھلک بھی دکھاتا ہے۔ دنیا کی تیسری بڑی معاشی طاقت ہونے کے باوجود جاپان کا معاشرہ ایسا ہے، جہاں ابھی تک لوگ خواب دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔ فطری مناظر کو روح کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں۔ ان باتوں کا ثبوت یہ ناول ہے، جس کو پڑھتے ہوئے آپ احساس کے خوبصورت بندھن میں بندھ جائیں گے۔

کچن کی ادیبہ ''بانانا یوشی موتو'' جاپان کی باصلاحیت لکھاریوں میں سے ایک ہیں۔ ''بانانا یوشی موتو'' جاپان کے شہر ٹوکیو میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد اور بہن جاپان کے مقبول کارٹونسٹ ہیں۔ انہوں نے نیہون یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ ادب کو خاص طور پر پڑھا۔ بانانا پھولوں سے محبت ان کے نام کا حصہ بن گئی۔ 1986ء میں انہوں نے ''مون لائٹ شیڈو'' لکھ کر پیشہ ورانہ ادب کی بنیاد رکھی۔ اب تک تقریباً 12 ناول لکھ چکی ہیں، جن کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہوئے اور ان کے ناولوں کو کئی انعامات سے بھی نوازا گیا۔

انہوں نے ''کچن'' ناول جاپانی زبان میں لکھا اور یہ سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ کئی

زبانوں میں اس ناول کے ترجمے ہوئے اور مختلف ممالک سے شائع کیا گیا۔اس کا نام ہرزبان میں ''کچن''ہی لکھا گیا،اس لیے میں نے بھی کچن کو کچن ہی لکھا۔جن ممالک کی زبانوں میں یہ ترجمہ ہوا،ان میں فرانس،یونان،سویڈن،اسپین، نیدرلینڈ، ناروے، روس،فن لینڈ،اٹلی،برطانیہ،ڈنمارک،پولینڈ،ہنگری،رومانیہ،کوریا،چین،ہانگ کانگ، تھائی لینڈ،تائیوان،ویت نام،اسرائیل،ترکی،امریکا شامل ہیں۔ پاکستان اور اُردو زبان میں جاپان کے جدید ادب کا یہ شاہکار پہلی بار ترجمہ ہو رہا ہے۔''بانانا یوشی موتو'' کو اس ناول کی وجہ سے دنیا بھر میں پہچان ملی۔اس ناول پر جاپان میں 2 فلمیں بھی بن چکی ہیں۔اس کے علاوہ یہ ناول بے شمار ادبی اعزازات بھی اپنے نام کر چکا ہے۔

اس ناول کے ترجمے میں مجھے پاکستان میں مقیم چند جاپانی دوستوں کا بھرپور تعاون حاصل نہ ہوتا تو کئی مشکلات درپیش آتیں،ان کی وجہ سے یہ کام میں نے بہت سہولت سے مکمل کرلیا۔ان کے علاوہ جناب نصیر ترابی اور جناب فرہاد زیدی کا شکریہ،جن کی محبت نے مجھے جاپان کے جدید ادب کے اس نمائندہ ناول کو ترجمہ کرنے کا حوصلہ عطا کیا اور میری بھرپور معاونت کی۔

میرے ناشر جناب ایم آئی راحیل (توکل اکادمی) کا بھی شکریہ،جن کی اس ناول کے لیے پسندیدگی اشاعت کا باعث بنی۔اس ناول کے ترجمے کا ٹائٹل جناب شمیم باذل نے بڑی محبت اور محنت سے بنایا،جبکہ برقی لے کاری کا کام میرے دوست نعمان شیخ نے انجام دیا،میں ان دونوں آرٹسٹوں کا بھی بے حد مشکور ہوں۔ان کے علاوہ ایک اور دوست اور اس ناول کے ترجمے میں میرے سہولت کار مونس آزاد کا بھی شکریہ،جن کی معاونت سے یہ کام بخیر خوبی مکمل ہوا۔

امید کرتا ہوں ،اس ناول کی کہانی اور کردار،آپ کو اداس بھی کریں گے اور زندگی کی جمالیات کا فلسفہ بھی سمجھائیں گے۔مصنف کی آنکھیں خواب دیکھنے والی اور دل نرم

اور محبت کرنے والا ہو تو پھر ''کچن'' جیسا ناول تخلیق پاتا ہے۔

میں اس ناول کا انتساب جاپان کے ان تین ادیبوں کے نام کرتا ہوں، جن کے نام عالمی ادب میں روشن ستارے کی مانند ہیں اور جن کی تخلیقات کو پڑھ کر جاپانی ادب میں میری دلچسپی بڑھی، وہ تینوں ادیب، یاسوناری کاواباتا، کنزوبورواوئے، ہاروکی موراکامی ہیں۔

قارئین کی توجہ کا بھی پیشگی شکریہ!

خرم سہیل
(مترجم)
(khurram.sohail99@gmail.com)

ناول نگار کے تاثرات

میں کافی عرصے سے ناول کی صنف میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی، اس ناول کو میں تب تک لکھتی رہتی، جب تک اپنے دل کی بات اس میں کہہ نہ دیتی۔ یہ ناول اسی شعوری کوشش کے مرحلے سے گزر کر مکمل ہوا ہے۔ انسان کی نشو و نما ہو یا وہ رکاوٹیں، جن کو عبور کرنے کی صلاحیت کسی شخص کی روح میں پوشیدہ ہوتی ہے، لہٰذا میں اپنے اندر برپا ہونے والی مسلسل جنگ کو لڑنے میں بہتر ہوگئی ہوں، چاہے وہ باآواز ہو یا خاموش، مجھے معلوم ہے، یہ سب کچھ میرے دوستوں کی بدولت ممکن ہوا اور میں یہ ناول لکھ پائی۔ یہ کتاب میں ان کے نام کرتی ہوں۔

اس ناول کو لکھنے کے عرصے میں مجھے ایک ریستوران میں بیرے کی ملازمت نے بھی بہت مدد دی۔ میں سب سے پہلے ریستوران کے مینجر ''تو کو جی'' کا شکریہ ادا کرتی ہوں، جنھوں نے دوران ملازمت مجھ پر زیادہ سختی نہیں کی۔ اس ملازمت میں دیگر میرے ساتھی، جن کے ساتھ میں نے کام کیا، ان میں خاص طور پر ''یومی ماسوکو'' کا شکریہ، جنھوں نے اس کتاب کی تزئین کی، پھر پروفیسر ''ہیروشی'' اور ''ماساویاموتو'' کا بھی شکریہ، جن کا تعلق نیہون یونیورسٹی کے شعبۂ آرٹس سے ہے، انھوں نے مجھے ''مون لائٹ شیڈو'' کے لیے انعام حاصل کرنے میں میری حمایت کی، یہ حوصلہ افزائی میرے لیے باعث مسرت تھی۔ میں اس ناول کا انتساب اپنے ناشر ''ہیروشی تیرادا'' کے نام بھی

کرنا چاہتی ہوں۔اس ناول کا دوسرا باب ''فل مون'''' آ کی اونے موتو جن''اور''جی رویوشی کاوا'' کے نام بھی کرنا چاہتی ہوں،جنہوں نے مجھے ''مائیک اولڈ فیلڈ'' کا ایک شاندار سنگیت سنوایا،اس کا نام ''مون لائٹ شیڈو''تھا،اس سے متاثر ہو کر میں نے اس ناول کا دوسرا حصہ لکھا اور اسی کے نام پر اس باب کا عنوان بھی تجویز کیا۔

بہت سے قارئین مجھ سے واقف نہیں ہوں گے۔لہٰذا جس کسی نے بھی میری اس کاوش کا مطالعہ کیا،ان سب کا بے حد شکریہ۔میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی کوئی بات نہیں ،اگر اس ناول نے دوران مطالعہ آپ کو تھوڑا سا بھی لطف دیا۔ہم کسی نہ کسی دن ضرور ملیں گے،اس دن تک کے لیے میں دعا کرتی ہوں،آپ سب خوش رہیں۔آخر میں یہ کتاب میں اپنے والدین کے نام کرنا چاہتی ہوں،جن کی وجہ سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوسکی۔میرے پاس مزید شکریہ کی گنجائش نہیں،مگر اس کے باوجود میں امید کرتی ہوں،آپ سب قارئین میرا اجتماعی شکریہ قبول کریں گے۔ میں آپ سب کی تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

بانانا یوشی موتو

ٹوکیو،جاپان

کچن

مجھے دنیا میں جو جگہ سب سے زیادہ پسند ہے، وہ کچن ہے، چاہے وہ کہیں بھی ہو اور کسی بھی نوعیت کا ہو، اگر وہ کچن ہے تو میرے لیے کشش کا باعث ہے۔ ایک ایسی جگہ جہاں ہم کھانا بناتے ہیں، اُسے دیکھ کر مجھے اطمینان ہوتا ہے۔ میری نظر میں آئیڈیل کچن وہ ہے، جو گھر کے اندر کی طرف بنا ہو۔ ایسے کچن میں بہت سے تولیے رکھے ہوں، صاف ستھری اور سفید ٹائلز ہوں جن پر روشنی منعکس ہو سکے (ٹن ٹن ٹن)۔ مجھے گندے اور بے ترتیب کچنز بھی بے حد پسند ہیں، وہ میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتے ہیں۔ زمین پر پڑے ہوئے سبزی کے ٹکڑے اتنے گندے ہوں کہ آپ کی چپلیں کالیں ہو جائیں۔ عجیب بات ہے اگر اس طرح کا کچن بڑا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ میں سلیٹی رنگ کے دیوقامت فریج کے سامنے کھڑی ہو کر یہ خواہش کرتی ہوں۔ اس میں اتنا کھانا ہو کہ سردیوں کے موسم میں اسی ذخیرے سے گزارا کر لیا جائے۔ جب میں اپنی آنکھیں تیل کی چکنائی سے بھرے ہوئے گیس کے چولہے اور زنگ آلود چھری سے ہٹاتی ہوں، کھڑکی سے باہر ستاروں کو چمکتے ہوئے دیکھتی ہوں تو مجھے تنہائی میں یہ خیال آتا ہے ------

''اب صرف میں ہوں اور کچن ہے۔ یہ احساس مکمل تنہائی سے بہتر ہے۔''

جب میں بہت تھک جاتی ہوں اور کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوتی ہوں تو اکثر مجھے یہ خیال آتا ہے، جب موت کا وقت آئے گا تو میں اپنی آخری سانس کچن میں لینا چاہوں گی، چاہے سردی ہو اور میں تنہا یا کوئی اور بھی وہاں موجود ہو۔گرم جوشی کی فضا ہوگی اور میں بنا کسی ڈر کے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالوں گی، لہٰذ موت سے میری ملاقات کچن میں ہوئی تو میں اس بارے میں سوچوں گی ''یہ سب کتنا اچھا ہے''۔

مجھے تانا بے خاندان نے اپنے ساتھ رکھا ورنہ اس سے پہلے میں اپنی ہر رات کچن میں گزارتی تھی۔دادی کی وفات کے بعد مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ایک دن صبح سویرے میں سکون کی تلاش میں اپنے کمرے سے نکلی تو ایک ہی جگہ ایسی تھی جہاں مجھے سکون ملا اور وہ جگہ تھی فریج کے برابر، جہاں میں اکثر سو جایا کرتی تھی۔

میرا نام میکاگے ساکورائی ہے۔میرے والدین کا انتقال تب ہوا جب میں بہت کم عمر تھی۔دادا اور دادی نے میری پرورش کی۔میں ہائی اسکول میں تھی تو دادا کی وفات ہوگئی۔اُن کی رحلت کے بعد میں اور دادی تنہا رہ گئے تھے۔

دادی کی اچانک موت میرے لیے بہت حیران کن حادثہ تھی۔میرا خاندان ایک ایک کر کے مختصر ہوتا چلا گیا لیکن جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا، میں بھری دنیا میں بالکل اکیلی ہوں تو مجھے اپنے اردگرد موجود ہر شے جھوٹی اور بے معنی لگی۔یہ حقیقت میرے لیے بہت حیران کردینے والی تھی۔میں اب دنیا میں بالکل اکیلی ہوں۔میں جس فلیٹ میں رہائش پذیر تھی، وہاں وقت اپنے فطری انداز سے گزر رہا تھا۔یہ سب کچھ بالکل سائنس فکشن کی طرح تھا جیسے کائنات کا تاریک اندھیرا۔۔۔۔۔

دادی کے جنازے کے تین دن بعد بھی میں سکتے کی حالت میں تھی۔عجیب بے کلی تھی، اداسی نے مجھے جکڑ رکھا تھا مگر میں رو نہیں پاتی تھی۔اسی میٹھی اداسی کے ساتھ، سونے کے لیے میں اپنے گدے کو اُٹھا کر چمکتی ہوئی مگر ہیبت ناک خاموشی میں

بچھاتی اور چادر لپیٹ کر سو جاتی تھی۔ فریج کی گنگناہٹ مجھے اپنی تنہائی کے بارے میں سوچنے سے روکتی تھی۔ یہاں آنے والی رات طویل مگر سکون والی رات تھی اور اسی طرح صبح بھی میرے لیے ایک پرُسکون خاموشی کے دریچے کھولتی تھی۔ لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔

میں صرف ستاروں کے نیچے سونا چاہتی تھی
میں صرف صبح کی روشنی میں جاگنا چاہتی تھی

☆

ان کے علاوہ میں صرف بے جان تھی
مگر ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح

مگر میں زندگی اس طرح نہیں گزار سکتی تھی۔ حقیقت اٹل اور حیران کن تھی۔۔۔۔

میں نے اُس دولت کے بارے میں سوچا جو دادی میرے لیے چھوڑ گئی تھیں۔ وہ کافی تھی۔ میں جس فلیٹ میں رہتی تھی، وہ بھی کافی بڑا تھا۔ ایک شخص کے رہنے کے لیے وہ بہت مہنگی رہائش گاہ تھی۔ میں کسی مناسب، چھوٹے اور کم قیمت فلیٹ کی تلاش میں تھی۔ اس کے علاوہ کوئی چارا نہ تھا۔ میں نے اخبارات میں فلیٹ کے لیے کئی اشتہارات دیکھے۔ دستیاب فلیٹس کی فہرست پر انگلی رکھ کر چلاتی رہتی۔ اتنی ساری جگہوں کو ایک ہی فہرست میں لکھا دیکھتی تو میرا سر چکرا جاتا۔ کسی اور جگہ منتقل ہونا ایک دشوار اور طویل وقت لینے والا کام تھا پھر اس کام کو کرنے کے لیے جسمانی طاقت بھی درکار تھی۔

میرے جسم میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ دن رات کچن میں سونے سے جوڑوں میں درد بیٹھ گیا تھا۔ میں نے سوچا گھر کی منتقلی کتنا تھکا دینے والا کام ہے اور اس کے لیے کتنی محنت درکار ہوگی۔ مجھے جا کر مختلف فلیٹس کا معائنہ کرنا ہوگا، سامان بھی منتقل کرنا ہوگا پھر ٹیلی فون بھی لگوانا پڑے گا۔ یہ سب کچھ سوچ کر میں مایوسی کو خود پر اوڑھے لیٹی اور سوئی رہتی۔ اسی کشمکش کی حالت میں ایک دن دوپہر کو معجزہ ہوا۔ میرے ٹیلی فون کی گھنٹی

بجی۔ مجھے فون کی گھنٹی کی آواز اچھی طرح یاد ہے ''ڈنگ ڈونگ، ڈنگ ڈونگ'' پھر اچانک سے دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ بہار کے خوبصورت بادلوں سے بھری ایک دوپہر تھی۔ میں اپنے پرانے رسائل کو رسی سے باندھ رہی تھی اور فلیٹس کی فہرست پر میری نظر تھی۔ میں یہ سوچ رہی تھی، یہاں سے کسی دوسری جگہ کیسے منتقل ہوسکتی ہوں۔ دروازے کی گھنٹی پہ میں چونک کر دروازے کی طرف بھاگی اور دروازہ کھولا۔ خدا کا شکر ہے کوئی ڈاکو نہیں تھا۔ وہاں یوا یچی تانابے کھڑا تھا۔

''اُس دن مدد کرنے کا شکریہ۔'' میں نے کہا۔ وہ ایک اچھا اور نیک دل لڑکا تھا۔ مجھ سے عمر میں ایک سال چھوٹا تھا۔ اس نے میری دادی کے جنازے میں بے حد مدد کی تھی۔ میرے خیال سے اُس نے مجھ سے کہا، وہ میری ہی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔ میں نے یونیورسٹی سے چھٹی لے رکھی تھی۔

''کوئی مسئلہ نہیں'' اُس نے کہا۔ آپ نے گھر کا انتخاب کرلیا؟''

''نہیں! ابھی تک نہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا''

''آپ چائے پینے کے لیے اندر آنا پسند کریں گے؟''

''نہیں! ابھی مجھے کہیں جانا ہے، ذرا جلدی میں ہوں۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تو آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے آیا تھا۔ میں اور میری والدہ آپ کے متعلق بات کررہے تھے۔ ہم نے یہ سوچا کیوں نہ آپ کسی دن ہمارے گھر آئیں۔''

''جی؟'' میں نے کہا۔

''کیوں نہ آج سات بجے کے قریب آجائیں؟ یہ میرے گھر کا پتہ ہے۔''

''ٹھیک ہے''میں نے چہرے پر بِنا کوئی تاثر لائے ہامی بھر لی اور وہ پرچی اُس سے لے لی جس پر اُس کے گھر کا پتہ درج تھا۔

''بہت شکریہ، میں اور امی آپ کی آمد کے منتظر رہیں گے''۔اُس کی مسکراہٹ بہت چمکدار تھی ۔جب وہ دروازے پر کھڑا تھا، میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی بھرپور کوشش کی اور پھر میں اُس پر سے نظریں نہیں ہٹا پائی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی روح نے میرا نام پکارا ہے۔

''بالکل ٹھیک ہے،ضرور آؤں گی۔''میں نے کہا۔

سننے میں برا لگتا ہے مگر ایسا ہی تھا جیسے مجھے کسی نے جکڑ لیا ہو۔اُس کا رویہ بہت مخلصانہ تھا۔ مجھے محسوس ہوا، میں اُس پر یقین کرسکتی ہوں۔ مجھے آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی کالی اداسی میں (جیسا اکثر ہوتا ہے کوئی کسی پر جادو کردے) ایک سیدھا راستہ نظر آیا، جو مجھ سے شروع ہوکر اُس تک جارہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا، وہ سفید روشنی کی مانند چمک رہا ہے۔اُس کی شخصیت کا مجھ پر کچھ ایسا ہی اثر ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر ملاقات ہوتی ہے۔''اُس نے مسکراتے ہوئے اپنا جملہ مکمل کیا اور چلا گیا۔۔۔

میں یوایچی تانابے کو دادی کے انتقال سے پہلے نہیں جانتی تھی، جب وہ جنازے میں شرکت کے لیے آیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا،کہیں یہ میری دادی کا محبوب تو نہیں؟ کیونکہ جب اُس نے میت کو آگ لگائی تو اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔آنکھیں زیادہ آنسو بہہ جانے کی وجہ سے سوکھ چکی تھیں اور جب اس نے میری دادی کی تصویر دیکھی تو اس کی آنکھوں سے پھر آنسوؤں کی بارش جاری ہوگئی۔میرے ذہن میں پہلی سوچ یہ آئی، دادی کے لیے میری محبت، اُس لڑکے کی محبت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ یہ جو کوئی بھی تھا۔دادی کی وفات سے اُسے گہرا صدمہ پہنچا تھا اور وہ بہت

اداس دکھائی دے رہا تھا۔

رومال سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے اُس نے مجھ سے کہا تھا ''مجھے ہاتھ بٹانے کا موقع دیں۔'' اس کے بعد اُس نے میری بہت مدد کی۔

یواپچی تانابے۔۔۔۔۔۔شاید میں ذہنی طور پر اُلجھ گئی تھی۔ مجھے اتنی دیر لگی یہ یاد کرنے میں کہ دادی نے اِس لڑکے کا ذکر مجھ سے کب کیا تھا۔

یہ وہی لڑکا تھا جو دادی کی پسندیدہ پھولوں کی دکان پر جُز وقتی ملازمت کرتا تھا۔ مجھے یاد آیا، وہ اکثر کہتی تھیں ''کتنا اچھا لڑکا ہے جو اُس دکان پر کام کرتا ہے''۔۔۔۔۔۔یواپچی تانابے۔۔۔۔۔۔ایک اجنبی لڑکا اور آج پھر۔۔۔۔۔۔دادی کو پھول کاٹنا بہت پسند تھے۔ ہمارے کچن میں جتنے بھی پھول تھے، ان کو مرجھانے کی اجازت نہیں تھی، اسی لیے دادی ہفتے میں دودن پھولوں کی دکان پر جایا کرتی تھیں۔ میں نے سوچا تو مجھے یاد آیا، وہ میری دادی کے پیچھے پیچھے اپنے ہاتھوں میں پودوں کے گملے اُٹھائے چلا کرتا تھا۔

وہ ایک طویل قامت اور وجیہہ لڑکا تھا۔ میں اس کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتی مگر مجھے اتنا یاد ہے، میں نے اُس کو پھولوں کی دکان پر کام کرتے دیکھا تھا۔ جب مجھے اس کی شخصیت سے تھوڑی بہت واقفیت ہوئی تو احساس ہوا، وہ دوسروں سے فاصلہ رکھتا ہے اور کم گو ہے۔ اس کا رویہ کسی سے چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر وہ پھر بھی تنہا دکھائی دیتا تھا۔ میں اُس کو واقعی نہیں جانتی تھی۔

وہ بہار کی ایک رات تھی۔ بارش ہو رہی تھی۔ برسات نے گردونواح کو اپنی رم جھم کی گرم جوشی سے ڈھانپ لیا تھا۔ میں اسی موسم میں، وہ پرچی ہاتھ میں تھامے گھر سے نکل پڑی جس پر یواپچی تانابے کے گھر کا پتہ درج تھا۔

میرے فلیٹ سے تانابے خاندان کے گھر تک کے درمیانی فاصلے میں ایک پارک آتا تھا جس کا نام ''چیواو پارک'' تھا۔ میں جب وہاں سے گزری تو وہ جگہ رات کی ہری

بھری مہک سے بھر گئی۔ میں اس گیلے راستے پر چلتی رہی جو قوس وقزح کے دھنک رنگوں سے چمک رہا تھا۔

سچ تو یہ ہے، میں وہاں اس لیے جا رہی تھی کہ اُس نے مجھے بڑے خلوص سے دعوت دی تھی، اس بات کے علاوہ میں کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ میں نے اُس کے بلند قامت فلیٹس کی عمارت دیکھی تو سوچا، دسویں منزل سے رات کا نظارہ کتنا خوبصورت ہوگا۔

لفٹ کے ذریعے مطلوبہ فلیٹ تک پہنچی ۔ برآمدے میں چلتے ہوئے اپنے ہی قدموں کی آواز سے چونک گئی۔ اس قدر لطیف خاموشی میں ڈوبی ہوئی عمارت تھی۔ میں نے گھنٹی بجائی، یوا یچی نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر کہا ''آیئے''

''شکریہ'' میں اندر آ گئی۔ داخلی کمرہ ذرا عجیب سا تھا۔

اُس کے گھر میں پہلی چیز جس کا میں نے بغور جائزہ لیا۔ وہ کچن تھا مگر میری نظر لاؤنج میں رکھے بڑے سے صوفے کی طرف بھی گئی۔ اس کے پیچھے بڑا سا کچن اپنے شیلف، برتنوں اور دیگر سامان کے ساتھ موجود تھا۔ کچن میں قالین اور میز جیسی کوئی چیز نہیں تھی، کچن صرف ہلکے صندلی اور زردی مائل رنگوں سے رنگا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، یہ منظر کسی اشتہار کا حصہ ہو۔ ایک اوسط گھر کے تمام افراد، اس کچن میں ایک ساتھ بیٹھ کر ٹیلی ویژن دیکھ سکتے تھے۔ ایک بڑا کُتا جس کی ہیئت اور رقبہ جاپان سے بڑا ہو، وہ بھی اس کچن میں سما سکتا تھا۔ صوفہ نہایت عمدہ اور قیمتی تھا۔

کھڑکی کے سامنے بالکونی میں گملوں میں اُگے ہوئے مختلف پودوں کا جنگل تھا۔ میں نے جب اچھی طرح گھر کو دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا، پورا گھر پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر جگہ بہار کے پھولوں سے بھرے گلدان موجود تھے۔

''میری والدہ جلدی کام سے واپس آتی ہوں گی، جب تک آپ گھر دیکھیے۔ کیا میں آپ کو گھر کا معائنہ کرا دوں یا آپ خود دیکھنا چاہیں گی؟ گھر میں سب سے پہلے کیا

دیکھنا چاہیں گی تا کہ پھر میں آپ کے ذوقِ نظر سے جان سکوں ،آپ کی شخصیت کس طرح کی ہے۔''یواپچی نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

''کس طرح کی؟''میں نرم صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میرا مطلب، آپ گھر کے بارے میں کیا جاننا چاہتی ہیں؟ یہاں رہنے والوں کے متعلق اور ان کے ذوق کے بارے میں۔کئی لوگ کہتے ہیں، آپ غسل خانہ دیکھ کر بہت کچھ جان سکتی ہیں۔''اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔اُس کا لب ولہجہ بہت مطمئن تھا۔

''کچن''میں نے کہا۔

''یہ رہا،دیکھیں جو بھی دیکھنا ہو۔''

جب تک اُس نے چائے بنائی ،میں نے کچن کا جائزہ لیا۔ ہر چیز کو اپنے اندر اتار لیا۔لکڑی کی زمین پر رکھے ہوئے قالین ،یواپچی کی چپلیں ،چند استعمال شدہ کچن کی چیزیں جو نہایت سلیقے سے ترتیب وار رکھی ہوئی تھیں۔سلیٹی رنگ کا فرائی پین اور جرمنی کا بنا ہوا سبزی کاٹنے والا ایک نفیس اوزار مجھے بہت اچھا لگا،وہ ایسا اوزار لگ رہا تھا جس سے نہایت سُستی سے بھی کوئی کسی چیز کو کاٹنا چاہے ،تو اس کے استعمال سے وہ لطف اندوز ہی ہوگا۔

لیمپ کی روشنی میں ہر طرح کی پلیٹیں خاموشی سے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔گلاس چمک رہے تھے۔سامان بکھرا ہوا تھا مگر اس میں کوئی شک نہیں تمام سامان معیاری تھا۔وہاں کچھ خاص استعمال کی چیزیں بھی تھیں،تام چینی کے ڈونگے ،تھال اور کچن میں استعمال ہونے والے کئی اور برتن۔یہ سب کچھ بہت شاندار تھا۔میں نے''یواپچی'' کی اجازت سے کچن میں رکھے چھوٹے سے فریج کو کھولا۔اس میں بھی سب کچھ ترتیب سے رکھا ہوا تھا۔بچے کھچے سامان کی بے ترتیبی کے آثار بھی کہیں دکھائی نہ دیے۔میں نے اچھی طرح نظر دوڑائی اور خود سے کہا،سب ٹھیک ہے۔کچن بہت اچھا

تھا۔ مجھے پہلی نظر میں اِس سے محبت ہوگئی تھی۔

میں واپس صوفے پر جا کر بیٹھ گئی اور اتنی دیر میں گرم چائے بھی آ گئی۔۔۔۔۔۔

عام طور پر میں جب پہلی مرتبہ کسی کے گھر جاتی ہوں اور میری ملاقات اجنبی لوگوں سے ہوتی ہے تو میں بہت تنہائی محسوس کرتی ہوں۔ میں نے بالکونی کی کھڑکی کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا، اس کے پیچھے تاریکی میں ڈوبی اُداس رات کا منظر بھی بارش میں بھیگا ہوا تھا۔ میرا اس دنیا کی مخلوق سے کوئی تعلق نہیں تھا؟ میں کچھ بھی کر سکتی تھی؟ کہیں بھی جا سکتی تھی؟ یہ چکرا دینے والی سوچ تھی۔

ایک دم سے یہ دیکھنا، دنیا اتنی بڑی ہے، کائنات اتنی تاریک ہے۔ یہ احساس انتہائی مسحور کر دینے والا تھا اور لاحاصل تنہائی کی علامت بھی۔ میں پہلی بار اپنے ہاتھوں اور آنکھوں سے اس احساس کو چھو رہی تھی۔ اِس سے پہلے میں دنیا کو ادھوری بینائی سے دیکھتی تھی۔

''آپ نے مجھے کیوں مدعو کیا؟'' میں نے پوچھا۔۔۔

''ہم نے سوچا، آپ مشکل وقت سے گزر رہی ہیں۔'' یوایچی نے جواب دیا اور مہربان نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''آپ کی دادی مجھ سے انتہائی شفقت سے پیش آتی تھیں۔ اس گھر کو دیکھیں، ہمارے پاس اتنی جگہ ہے۔ آپ کو کہیں اور منتقل نہیں ہونا چاہیے۔''

''جی بالکل! حالانکہ مالک مکان نے مجھے اُس گھر میں رُکنے کے لیے کچھ وقت کی مزید مہلت دی ہے''۔

''تو پھر کیوں نا آپ ہمارے ہاں رہائش اختیار کر لیں؟'' اُس نے یہ ایسے کہا جیسے کوئی بہت عام سی بات ہو۔ اُس نے ایک متوازن لہجے میں مجھے پیشکش کی۔ میرے دل میں اُس کے لیے گرم جوشی کے احساسات نے جنم لیا۔ میرا دل بھر آیا۔ اُسی وقت دروازے

کی چابی گھومی اور ایک بہت ہی خوبصورت ہانپتی کانپتی عورت گھر میں داخل ہوئی۔

میرا منہ حیرت کے مارے کھلا رہ گیا۔وہ جوان تو نہیں مگر بہت حسین تھیں۔ان کے لباس اور بناؤ سنگھار سے مجھے یہ بات سمجھ آگئی،وہ کہیں رات کے اوقات میں ملازمت کرتی تھیں۔

یوایچی نے میرا تعارف کروایا۔''یہ ہیں میکاگے ساکورائی۔''

''کیسی ہیں آپ؟''۔۔۔انہوں نے خمار آلودہ آواز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں یوایچی کی والدہ ہوں،میرا نام اریکو ہے''۔

یہ اُس کی والدہ تھیں؟میں حیرانی سے اپنی نظریں ان پر سے ہٹا نہیں پارہی تھی۔ان کے بال ریشم کی طرح ملائم تھے اور کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں گہری چمک،مخروطی ہونٹ،الف ناک ۔۔۔۔۔ان کی شخصیت روشنی کی شعاعوں کا ایسا مدار تھی جہاں سے زندگی دینے والی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں۔ان شعاعوں میں وہ قوت تھی جس سے کسی کو بھی نئی زندگی مل سکتی تھی۔وہ انسان معلوم نہیں ہورہی تھیں،کوئی فرشتہ صفت انسان جیسی دکھائی دے رہی تھیں۔میں نے آج تک ایسی روشن شخصیت نہیں دیکھی تھی۔

میں نے بدتمیزی کی حد تک اُنہیں گھورا''آپ کیسی ہیں؟''آخرکار میں نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے جواب دیا اور مسکرادی۔

''ہمیں بہت خوشی ہوئی،آپ تشریف لائیں۔''انہوں نے مجھے کہا۔یوایچی کی طرف مڑیں اور پھر کہنے لگیں''میں معذرت خواہ ہوں یوایچی،آج مجھے چھٹی نہیں مل سکی،میں باتھ روم کے بہانے سے کچھ دیر کے لیے آئی ہوں البتہ صبح میرے پاس کافی وقت ہوگا،امید ہے میکاگے رات یہی گزارے گی۔''یہ کہہ کروہ تیزی سے باہر جانے لگیں۔

''میں آپ کو پہنچا آتا ہوں۔''یوا پچی نے اپنی والدہ سے کہا۔

''معذرت چاہتی ہوں، آپ کو میری وجہ سے مشکل ہوئی۔''میں نے کہا۔

''بالکل نہیں! کس کو پتا تھا آج کلب میں اتنا رش ہوگا بلکہ میں معذرت چاہتی ہوں۔''صبح ملاقات ہوگی۔''یہ کہہ کر وہ اونچی ایڑی والے جوتے پہنے باہر چلی گئیں تو یوا پچی نے مجھ سے کہا''آپ یہیں رُکیں، ٹی وی وغیرہ دیکھیں، میں ابھی آتا ہوں۔''اتنا کہہ کر وہ اپنی والدہ کے پیچھے بھاگا اور میں تنہا رہ گئی۔

مجھے یقین تھا اگر ان کو غور سے دیکھا جائے تو بڑھاپے کی کئی نشانیاں نظر آجائیں گی۔پاؤں میں جھریاں، دانت ۔۔۔۔۔ان کا کچھ حصہ انسانی دکھائی دے رہا تھا لیکن پھر بھی وہ جادوئی شخصیت تھیں۔میرا دل چاہ رہا تھا، وہ پھر سے آجائیں۔ابھی تک میرے دل و دماغ میں ایک روشنی چمک رہی تھی، جس میں اُن کا عکس تھا۔میرے خیال سے کشش کی مکمل تعریف یہی تھی۔ہیلن کیلر کی طرح جب وہ پہلی مرتبہ لفظ''پانی''سمجھی تھی (ہیلن کیلر اندھی تھی) ایسے ہی یہ لفظ میرے لیے حقیقت بن کر سامنے آیا۔اس کی جیتی جاگتی مثال میرے سامنے تھی۔میں اس کو افسانوی رنگ نہیں دے رہی مگر یہ ملاقات جذبات سے بھرپور تھی۔

یوا پچی گاڑی کی چابیاں کھنکناتے ہوئے واپس لوٹا اور جوتے اتارتے ہوئے راہدری سے ہی مجھ سے مخاطب ہوا''کاش اُن کے پاس فراغت کے دس منٹ ہی ہوتے اور یا پھر یہاں آنے کی بجائے فون کرلیتیں۔

میں صوفے پر بیٹھی رہی، جواب میں''ہاں''کہا۔

''میکاگے''اُس نے کہا۔''کیا تم میری والدہ کو دیکھ کر گھبرا گئی تھیں؟''

''ہاں''۔میں نے اُس سے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔''میں نے ان سے زیادہ حسین عورت کبھی نہیں دیکھی۔''

''ہاں مگر۔۔۔۔۔۔'' وہ میرے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے کہا ''اُن کی پلاسٹک سرجری ہوئی ہے۔''

''اچھا! میں نے اپنی حیرانی چھپاتے ہوئے کہا ''میں یہی سوچ رہی تھی، اُن کی شباہت، تم میں کیوں نہیں آتی۔''

''ابھی میں نے تمہیں پوری بات نہیں بتائی، بوجھو اور کیا بات ہے؟۔۔۔۔۔۔وہ مرد ہیں۔''۔وہ مجھے یہ بات بتاتے ہوئے بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔

میرے لیے یہ سب کچھ ناقابلِ یقین تھا۔میں اُسے خاموشی سے آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی اور یہ امید کرتی رہی، ابھی کسی بھی لمحے وہ کہے گا ''مذاق کر رہا ہوں۔'' وہ نازک انگلیاں، منفرد انداز، خود کو سنبھالنے کی اہلیت۔۔۔۔۔۔وہ خوبصورت چہرہ یاد کرتے ہوئے مجھ سے سانس نہیں لی جا رہی تھی جبکہ دوسری جانب یوایچی میری اس حالت سے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''ہاں مگر۔۔۔۔۔۔'' میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔تم تو کہہ رہے تھے، میری والدہ یہ ،میری والدہ وہ۔''

''ہاں مگر کوئی شخص جو ایسا دکھائی دیتا ہو، اُس کو والد کہا جا سکتا ہے؟'' اُس نے پُر اعتماد لہجے میں مجھ سے پوچھا۔میں نے یہ سوچا، وہ کہہ تو ٹھیک رہا ہے، سوالیہ انداز میں یہ ایک اچھا جواب تھا۔

''مگران کا نام اریکو کیوں ہے؟''

''اصل میں ان کا نام یو.جی ہے۔''

مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا، میری آنکھوں کو دکھائی دینے والا منظر دھندلا گیا ہو۔جب میں کہانی سننے کے لیے تیار ہوگئی تو میں نے پوچھا ''پھر تمہیں کس نے جنم دیا؟''

''اریکو پہلے ایک مرد ہی تھیں۔انہوں نے جوانی کے اوائل میں میری والدہ سے

شادی کی تھی۔''

''واہ ، میں سوچ رہی ہوں، وہ کیسی دکھائی دیتی ہوں گی''۔میں تصور نہیں کر پا رہی تھی۔

''مجھے وہ خود بھی یاد نہیں ہیں۔میں اُس وقت بہت چھوٹا تھا،جب ان کا انتقال ہوا تھاالبتہ میرے پاس ان کی ایک تصویر ہے۔کیا دیکھنا پسند کرو گی؟''

''ہاں''میں نے کہا۔بغیر کھڑے ہوئے اُس نے زمین پر پڑا ہوا بستہ اپنی طرف کھینچا اور ایک پرانی تصویر بٹوے سے نکال کر مجھے دی۔چھوٹے بال،چھوٹی آنکھیں اور ناک۔اُن کو دیکھ کر عمر کا پتا نہیں چلتا تھا۔جب میں نے کچھ نہیں کہا تو یوایچی بولا۔''عجیب سی دکھائی دیتی ہیں نا؟''

میں نے اضطراب سے مسکراتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

''بچپن اریکو نے اپنے خاندان میں گزارا۔پتا نہیں کیوں؟یہ دونوں ساتھ بڑے ہوئے تھے۔اریکو جب مرد تھیں تب بھی وہ بہت وجیہہ نظر آتی تھیں اور عورتوں میں بے حد مقبول تھیں۔انہوں نے ایسی عجیب عورت سے شادی کیوں کی،اس کی وجہ تھی۔''اُس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔''وہ میری ماں سے جذباتی طور پر کافی قریب تھیں،اتنے زیادہ کہ اپنے اُن والدین کا احسان بھی جھٹلا دیا جنھوں نے ان کو لے پالک بچے کی حیثیت سے پالا تھا اور بھاگ کر میری ماں سے شادی کر لی۔جب میری حقیقی ماں کا انتقال ہوا تو اریکو نے ملازمت چھوڑ دی۔اپنے آپ سے پوچھا،وہ زندگی میں کیا کرنا چاہتی ہیں اور یہ فیصلہ بھی کیا،کیا وہ مرد بننا چاہتی ہیں یا عورت؟ان کو پتا تھا،وہ کبھی کسی اور سے محبت نہیں کر سکیں گی۔وہ بتاتی ہیں،عورت بننے سے پہلے بہت شرمیلی تھیں اور پھر ان کو کام ادھورے رہ جانے سے نفرت ہے،اس لیے انہوں نے اپنے چہرے سے پاؤں تک صنفِ حسن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔اپنے بچے ہوئے پیسوں سے نائٹ کلب خرید لیا۔

میری پرورش انہوں نے ایک اکیلی اور تنہا عورت کی طرح کی۔'' وہ مسکرایا۔

''زندگی کی کیا زبردست کہانی ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ ابھی مری نہیں۔'' یواپچی نے کہا۔

''میں جانتی تھی لیکن میں اس کی باتوں پر یقین کروں کہ نہیں؟ ایسا تو نہیں، وہ میرے ساتھ کوئی چالاکی کر رہا ہے؟ میں جتنا ان لوگوں کے بارے میں جانتی گئی، اس کے بعد میرے لیے یہ مشکل مرحلہ تھا کہ میں ان سے کب اور کیا توقع کروں۔

مگر مجھے ان کے کچن پر بھروسہ تھا جبکہ وہ اپنے کچن سے مطابقت نہیں رکھتے تھے مگر کچھ چیزیں مساوی تھیں۔ ان کے چہرے ''بدھا'' کی طرح چمکتے تھے اور جب مسکراتے تو اچھے لگتے تھے۔

''میں صبح جلدی چلا جاؤں گا، تمہیں جو بھی چاہیے، کچن سے لے لینا۔''

نیند بھری آنکھوں کے ساتھ یواپچی اپنے ہاتھوں میں چادر تکیہ اور پاجامہ پکڑے، مجھے شاور استعمال کرنے کا طریقہ سمجھا رہا تھا اور تولیوں کے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ کہاں رکھے ہوئے ہیں۔

اتنی عجیب کہانی سننے کے بعد مجھ سے کچھ زیادہ سوچا نہیں گیا، پھر میں نے یواپچی کے ساتھ ایک فلم دیکھی۔ ہم دونوں نے مختلف موضوعات پر گفتگو کی، جیسے اُس کی پھولوں کی دکان اور میری دادی۔ یوں وقت بہت تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ صوفہ بہت نرم، بڑا اور دھنسا دینے والا تھا۔ میں نے خود کو اس صوفے کے سپرد کر دیا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا، اب میں کبھی نہیں اٹھوں گی۔

''مجھے یقین ہے، تمہاری والدہ نے اس صوفے پر پہلی بار بیٹھتے ہی اسے خرید لیا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''بالکل صحیح'' اُس نے کہا۔ اُن کے ذہن میں جیسے ہی کوئی خیال آتا ہے، وہ اُس پر

فوراً عمل کرتی ہیں۔ یہ بات کبھی کبھی مجھے حیرت زدہ بھی کرتی ہے۔

''ہاں واقعی''

''فی الحال تو یہ صوفہ تمہارا ہے۔ یہی تمہارا بستر ہے۔ ہمارے لیے یہ بہت اچھی بات ہے، صوفہ کسی کے استعمال میں آ رہا ہے۔

''کیا یہاں میرا سونا ٹھیک ہے؟''۔ میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں'' اُس نے بلا جھجک کہا۔

''میں بہت شکر گزار ہوں۔'' اُس کے بعد مجھے اُس نے اپنے گھر میں ہونے کا احساس دلایا اور شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

مجھے بھی بہت نیند آ رہی تھی۔ میں کسی اور گھر میں نہاتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی، میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میری تھکن گرم پانی کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ میں پاجامہ پہن کر ننگے پاؤں برآمدے میں چلی آئی لیکن سونے سے پہلے ایک مرتبہ کچن دیکھنے گئی۔ وہ واقعی بہت اچھا کچن تھا۔

پھر میں اپنے صوفے پر جا کر ڈھ گئی۔ اب رات بھر کے لیے یہی میرا بستر تھا۔ میں نے بتی بجھا دی۔ کھڑکی سے داخل ہوتی ہوئی دھیمی روشنی میں، مجھے دسویں منزل سے باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ پودے آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے آرام کر رہے تھے۔ بارش تھم چکی تھی۔ موسم کی نرماہٹ سے چمکتی ہوئی رات ماحول کو روشن کر رہی تھی۔ ایک دیدہ زیب منظر تھا۔ ایک خوابناک منظر۔۔۔۔۔۔

میں چادر میں لپٹی سوچ رہی تھی۔ کتنی عجیب بات ہے، میں آج جس جگہ پر سو رہی ہوں، وہ بھی کچن کے برابر ہے۔ یہ سوچ کر مسکرا دی مگر اس بار میں اکیلی نہیں تھی۔ شاید مجھے اُس کا انتظار تھا یا پھر شاید مجھے صرف اُس ایک بستر کی خواہش تھی جس میں کچھ دیر کے لیے میں، جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا، اس بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ میں

اتنی اُداس تھی کہ کسی کے ساتھ سو بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ اُداسی مجھے مزید اُداسی کی طرف دھکیل رہی تھی مگر یہاں ایک کچن تھا اور کچھ پودے، برابر والے کمرے میں سویا ہوا شخص، مکمل خاموشی۔ میرے خیال میں یہ احساس سب سے بہتر تھا۔ یہ جگہ سب سے بہترین تھی۔ یہی سوچتے ہوئے میں سکون سے سوگئی۔

میں نل سے گرتے ہوئے پانی کی آواز سے جاگی۔

صبح اپنی تازگی کے ساتھ نمودار ہوچکی تھی۔ میں سُستی سے اٹھی اور کچن کی طرف گئی۔ وہاں اریکو موجود تھیں۔ اُن کی پُشت میری جانب تھی اور اُن کا لباس گزشتہ شب کے مقابلے میں سادہ تھا مگر وہ جیسے ہی میری طرف مڑیں۔ صبح بخیر کہا تو اُن کے چہرے کے تاثرات نے مجھے پوری طرح بیدار کردیا۔

''صبح بخیر'' میں نے جواب دیا۔ انہوں نے فریج کھول کے اندر جھانکا اور پھر میری طرف پریشانی سے دیکھنے لگیں۔

''تمہیں پتا ہے۔'' انہوں نے کہا۔ مجھے ہمیشہ صبح میں بھوک لگتی ہے، جب نیند میں ہوتی ہوں لیکن آج گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ چلو باہر کہیں چل کر کچھ کھاتے ہیں۔''

میں نے کہا ''کیا میں کچھ بنا دوں؟''

''واقعی؟'' انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم آدھی نیند میں چھری کانٹے کا کام سنبھال لوگی؟''

''یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔''

پورا فلیٹ روشنی سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے باہر آسمان کی نہ ختم ہونے والی میٹھی

نیلگوں وسعت کو دیکھا۔ یہ منظر بہت متاثر کن تھا۔

کچن میں موجود ہونے کی خوشی نے میرا ذہن صاف کر دیا پھر مجھے یاد آیا، یہ خاتون نہیں بلکہ مرد ہیں۔ میں نے اُن کی طرف مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک دم یہ احساس ہوا کہ یہ لمحہ جانا پہچانا ہے۔ یہ سب کچھ میں پہلے بھی دیکھ چکی ہوں۔ یہ لمحات مجھ پر پہلے بھی کہیں بیت چکے ہیں۔

گھر میں صندلی لکڑی کی خوشبو آ رہی تھی۔ صبحِ نو سے پھوٹتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر مجھے اپنا ماضی یاد آنے لگا۔ میں نے اُن کو نظر بھر کے دیکھا جب وہ برآمدے میں رکھے ہوئے گدوں پر بیٹھی ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھیں۔

میں نے جیسے ہی کھانا لگایا، وہ کھیرے کی سلاد، سوپ، چاول اور انڈوں پر پوری طاقت سے جھپٹیں۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ عمارت کے باغیچے میں کھیلتے ہوئے بچوں کی آوازیں بہار کے موسم کی طرح سنائی دیں۔ کھڑکی کے قریب پودے سرسبز روشنی میں لپٹے ہوئے چمک رہے تھے۔ دُور زردی مائل آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ یہ ایک گرم اور سُست دوپہر تھی۔

کل تک میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کسی اجنبی کے گھر میں ناشتہ کر رہی ہوں گی۔ مجھے یہ سوچتے ہوئے کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ آج ہم ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ دستر خوان مختلف طرح کے کھانوں سے سجا ہوا تھا (وہاں میز نہیں تھی)۔ سورج کی روشنی ہمارے پیالوں میں پگھل رہی تھی جبکہ ہماری سبز چائے زمین پر اپنا رنگ بکھیر رہی تھی۔

اچانک سے اریکو نے مجھے دیکھا اور کہا ''یواچی نے مجھے بتایا تھا، تم اُسے دُوفی

جیسی لگتی ہو۔''ڈوفی'' ہمارا ایک پالتو کتا تھا اور یہ بات واقعی سچ ہے۔''

''اُس کا نام 'دوفی' تھا؟''

''ہاں شاید ڈوفی تھا۔''میں اس نام کو سوچنے لگی۔

''تمہاری آنکھیں ویسی ہیں اور ویسے ہی اچھے بال۔ میں نے جب کل تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی تھی۔تم واقعی ''ڈوفی'' سے ملتی ہو۔''

''اچھا؟''میں نے سوچا، میری صورت کسی کتے سے تو نہیں ملتی اور اگر ''ڈوفی'' بُل ڈوگ ہوا تو یہ بہت بُرا ہوگا۔

''جب ''ڈوفی'' مرا تو میں یوایچی کو کچھ نہیں کھلا سکتی تھی، چاول کا ایک دانہ بھی نہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا یوایچی کو تم سے اُنس ہے مگر میں ضمانت نہیں دے سکتی، اُسے تم سے محبت بھی ہے کہ نہیں۔''یہ کہہ کر وہ ہنس دیں۔

''ٹھیک ہے''میں نے کہا۔

''یوایچی کہتا ہے، تمہاری دادی بہت نیک تھیں۔''

''دادی اِسے بہت پسند کرتی تھیں۔''

''تمہیں ایک بات بتاؤں، میں اس لڑکے کی پرورش پر پوری طرح توجہ نہیں دے سکی، اس لیے مجھے یہ خوف ہے، کچھ چیزیں ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔''

میں مسکرائی''ہاتھ سے نکل گئی ہیں؟''

''یہ سچ ہے۔''انہوں نے ممتا بھری مسکراہٹ سے کہا۔''وہ جذبات کے بارے میں اُلجھا ہوا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ مجھے پتا ہے، میں نے سب کچھ صحیح نہیں کیا مگر میری کوشش صرف یہ تھی، وہ ایک اچھا بچہ بنے اور تمہیں پتا ہے وہ ایک اچھا بچہ ہے؟''

''مجھے پتا ہے۔''

''تم بھی ایک اچھی بچی ہو۔''وہ مسکرائیں۔

اُن کا طلسم روشن اور اُجلی ہوئی شخصیت میں پوشیدہ تھا۔اسی وجہ سے وہ آج یہاں تھیں۔اُن کا بیٹا اور بیوی بھی اس روشنی کو کم نہیں کر سکے تھے۔اسی خامی نے اُنہیں سرد مزاج بنا دیا۔

انہوں نے کھیرے چباتے ہوئے کہا۔''تمہیں پتا ہے،کئی لوگ وہ بات کہہ جاتے ہیں،جس کو وہ کہہ نہیں رہے ہوتے مگر میں شعوری طور پر پوری سنجیدگی سے یہ بات تم سے کہہ رہی ہوں۔تم یہاں رہو،جب تک تم چاہو۔تم ایک اچھی لڑکی ہو۔تمہارا یہاں رہنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔میں جانتی ہوں،ایسے دکھ کے ساتھ رہنا کتنا کٹھن ہوتا ہے جب آپ کے پاس کہیں جانے کا جواز نہ ہو۔اس لیے برائے مہربانی ہمارے پاس ہی رہو اور کسی چیز کی فکر نہ کرو۔ٹھیک ہے؟''

میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہوں نے یہ لفظ زور دے کر کہے۔

''ظاہر ہے میں کرایہ وغیرہ تو دوں گی۔''میں نے جذباتی ہو کر کہا۔میرا دل پھٹ رہا تھا''مگر ہاں جب تک مجھے رہائش کے لیے کوئی اور جگہ نہیں مل جاتی،میں 'آپ کا مجھے برداشت کرنا' پسند کروں گی۔''

''بالکل لیکن کرایہ کی بجائے ہمیں کبھی کبھی سوپ والے چاول پکا کر کھلا دیا کرنا،تم یوایچی سے بہت بہتر پکاتی ہو۔''انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تن تنہا کسی بوڑھے شخص کے ساتھ رہنا بہت قوتِ برداشت کا کام ہے اور وہ بوڑھا شخص جتنا صحت مند ہو،اتنی ہی پریشانیاں زیادہ ہوتی ہیں مگر جب میں اپنی دادی کے ساتھ رہتی تھی جب ایسا کچھ بھی نہیں تھا بلکہ مجھے بہت مزا آتا لیکن ماضی میں جھانکتے ہوئے یہ سوچتی ہوں۔میرے دل میں یہ خوف ہمیشہ سے پنہاں تھا کہ ایک دن دادی مر جائیں گی۔

میں جب گھر آتی تو دادی ٹی وی والے کمرے سے باہر آ کر مجھے خوش آمدید کہتی

تھیں۔ جب کبھی میں دیر سے گھر آتی تو ان کے لیے کھانے کو کچھ میٹھا لے آتی تھی۔ وہ کافی پُرسکون شخصیت کی مالک تھیں۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی مشکل سے دوچار نہیں ہونے دیا۔ مجھے کسی بھی دوست کے ساتھ رات گزارنے کی اجازت دے دیا کرتی تھیں۔ ہم سونے سے پہلے کچھ وقت ایک ساتھ گزارتے تھے۔ اس دوران ہم کافی پیتے ،کبھی سبز چائے اور کبھی کیک کھاتے اور ٹی وی دیکھتے۔

میری دادی کے کمرے کا ماحول، میرے بچپن کے زمانے سے ویسا ہی تھا بالکل نہیں بدلا تھا، ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے تھے۔ یہ گفتگو عموماً ٹی وی کے فنکاروں کے بارے میں ہوتی یا پھر فلاں دن کیا ہوا، کس نے کیا کہا، اس طرح کی باتیں کرتے تھے۔ میرا خیال ہے اُنہی دنوں میں انہوں نے یواچی کا ذکر بھی کیا تھا۔

نہ جانے میں کتنی محبت دل میں سمائے شب و روز گزارتی تھی۔ میں بے پناہ خوش رہتی تھی لیکن میرے دل کے نہاں خانے میں کہیں یہ بات تھی۔ دادی میرے خاندان کی آخری نشانی ہیں، اس کے بعد اور کوئی نہیں ہوگا۔

اس رشتے کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ چاہے کوئی کتنا ہی خوش مزاج بچہ ہو، ایک بوڑھے شخص کے ساتھ رہ رہا ہو تو وہ پھر کچھ نہ کچھ سنجیدہ ضرور ہو جاتا ہے۔ وہ موت جیسی خاموشی ،کمرے کے کونے میں گہری سانسیں، کپکپاہٹ کی طرح میرے اندر اُترتی تھیں۔ مجھے اپنی اس کیفیت کا احساس بہت پہلے ہو گیا تھا۔

میرے خیال سے یواچی کو بھی ہو گیا ہوگا۔

یہ احساس مجھے کب ہوا کہ اس اندھیرے میں تنہا راستہ جس پر ہم چلتے ہیں، اس کو صرف ہم خود ہی روشن کر سکتے ہیں۔ میری پرورش بہت لاڈ پیار سے کی گئی مگر میں پھر بھی ہمیشہ سے اکیلی تھی۔

ایک دن بلاشبہ ہم سب ختم جائیں گے ۔وقت کے اندھیرے میں بکھر

جائیں گے۔میں نے ہمیشہ اس آگہی کو اپنی ذات کا حصہ بنا کر زندگی گزاری۔شاید اسی لیے یواپچی کی حرکات مجھے فطری محسوس ہوئیں اور اسی لیے میں اس کے ساتھ رہنے پر فوراً راضی ہوگئی۔

میں نے اپنے آپ کو مئی تک سُست رہنے کی اجازت دی۔میں جنت میں تھی۔اس عرصے میں اپنی جُز وقتی ملازمت کو بھی جاری رکھا۔نوکری سے واپسی کے بعد میں گھر کی صفائی کرتی،ٹی وی دیکھتی اور کیک بناتی۔میں یہاں ایک گھریلولڑکی کی طرح رہنے لگی تھی۔

آہستہ آہستہ روشنی اور ہوا میرے دل میں اُترنے لگی۔میں بہت زیادہ خوش تھی۔

یواپچی اپنی پڑھائی،میں اپنی ملازمت اور اریکو اپنی رات والی نوکری کی وجہ سے مصروف تھیں۔ہم تینوں کی گھر میں ایک ہی وقت میں ملاقات نہیں ہو پاتی تھی۔میں سب سے پہلے تھک جاتی اور جب اس گھر میں منتقل ہوئی تھی،مجھے برآمدے میں نیند نہیں آتی تھی۔میں اکثر اپنے پرانے فلیٹ سے چیزیں لاتی اور لے جاتی تھی۔

مجھے تانابے خاندان کا صوفہ اتنا ہی پسند تھا جتنا کہ کچن۔مجھے اس صوفے پر سونے میں مزا آنے لگا۔رات کا نظارہ بہت خوبصورت ہوتا تھا۔پودے سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔میں پردوں کے پیچھے رات کے منظر کو محسوس کرتے ہوئے بچوں کی طرح سویا کرتی تھی۔مجھے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔میں بہت خوش تھی۔

میں ہمیشہ سے ایسی تھی۔جب تک مجھے زبردستی جگایا نہ جائے،میں ہلتی جلتی نہیں تھی۔اس مرتبہ ایسا ہی تھا۔اتنے برے وقت کو جھیلنے کے بعد مجھے اتنا اچھا اور بہتر گھر رہنے کے لیے مل گیا،اس پر میں دل سے اپنے خداؤں کی شکر گزار تھی۔

ایک دن میں اپنے پرانے فلیٹ پر کچھ چیزیں لینے گئی۔میں نے دروازہ کھولا تو جھرجھری سی محسوس ہوئی،مجھے ایسا لگا میں کسی اجنبی گھر میں آگئی ہوں۔سرد اور

تاریک۔۔۔زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی۔وہاں جواپنائیت کا احساس ہونا چاہیے تھا،وہ بھی نہیں ہوا۔سب کچھ دور جاتا ہوامحسوس ہورہا تھا۔میں فلیٹ میں دھیرے سے داخل ہوئی،اس احساس کے ساتھ،مجھے اندر آنے کی اجازت لینی چاہیے۔

جب دادی کا انتقال ہواتو فلیٹ میں وقت بھی اُسی وقت مرگیا تھا۔یہ حقیقت مجھے واضح طور پر محسوس ہوتی تھی۔ میں اس کو بدلنے کے لیے کچھ نہیں کرسکتی تھی سوائے اس کے،میں وہاں سے واپس لوٹ جاؤں۔صرف ایک کام کرنا باقی تھا،وہ تھی فریج کی صفائی۔ایک دھن کو گنگناتے ہوئے میں فریج صاف کرنے لگی۔

اُسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔میں نے فون اُٹھایایہ جانتے ہوئے کہ دوسری طرف کون مخاطب ہوگا۔فون پر سوتارو تھا۔وہ میرا سابقہ محبوب تھا۔ ہمارے درمیان بہت دوستی بھی تھی لیکن دادی کی بیماری کے بعد علیحدگی ہوگئی۔

''کیسی ہومیکاگے؟''اُس کی آواز نے مجھے ماضی کی یاد دلادی۔میری آنکھوں میں آنسوآگئے۔

''کافی عرصہ ہوگیاہمیں بات کیے ہوئے۔''میں نے خوشی سے کہا۔ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں تھا۔

''ہاں۔تم کافی دنوں سے یونیورسٹی نہیں آئیں۔پڑھائی کا نقصان ہورہا ہے۔میں نے سوچا،پوچھوں نہ جانے کیا مسئلہ ہے۔لوگوں سے پوچھا تو پتا چلا،تمہاری دادی کا انتقال ہوگیا ہے۔مجھے یہ سُن کر بہت افسوس ہوا۔''

''ہاں،اسی لیے میں کافی مصروف رہی۔''

''کیا ابھی باہر کہیں ملاقات کرسکتی ہو؟''

''ہاں بالکل!''

''تو تم بتاؤ ہم کہاں مل سکتے ہیں۔''میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا،آسمان کا رنگ

سلیٹی ہورہا تھا۔ہوا کی زوردار لہریں بادلوں کو دھکیل رہی تھیں۔اس دنیا میں اداسی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

سوتارو کو پارک بہت پسند تھے۔ہوادار اور کھلی جگہیں،کھلی فضا۔۔اس کو یہ سب کچھ بے حد پسند تھا۔وہ یونیورسٹی میں اکثر کسی باغ یا پارک میں بیٹھا ہوا پایا جاتا تھا اگر کسی کو ''سوتارو'' کو ڈھونڈنا ہوتا تو اسے ہریالی کے قریب ڈھونڈتا۔یہ بات پوری یونیورسٹی میں مشہور تھی۔وہ علمِ نباتیات پر کام کرنا چاہتا تھا۔

اسی وجہ سے میں ایسے لڑکوں سے رابطے میں رہتی ہوں جن کا پودوں سے کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔

میرے خوشگوار دنوں میں سوتارو اور میں یونیورسٹی کا ''پیار کرنے والا حسین جوڑا'' تھے۔اس کی ہریالی کے شوق کی بدولت ہم اکثر ملاقاتیں ہرے بھرے مقامات پر کیا کرتے۔چاہے سردیاں ہی کیوں نہ ہوں مگر مجھے اکثر دیر ہوجایا کرتی تھی لیکن ہم پھر بھی ملتے ضرور تھے۔اکثر ہماری ملاقات پارک کے کونے میں بنی کافی شاپ پر ہوتی تھی۔

آج بھی سوتارو اُسی کافی شاپ پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔بادلوں سے بھرے آسمان کے سائے میں درخت ہوا میں جھول رہے تھے۔میں جب وہاں پہنچی تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔

وہ اور میں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے تو میں نے کہا۔''شاید بارش ہوجائے۔''

''نہیں! آسمان چھٹ رہا ہے۔عجیب سی بات ہے،ہم اتنے دنوں سے نہیں ملے اور جب ملے ہیں تو موسم کی بات کررہے ہیں۔''اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر میں مطمئن ہوگئی۔

کسی ایسے شخص کے ساتھ چائے پینے کا احساس کتنا اچھا ہوتا ہے جس کے لیے ہمارے دل میں اپنائیت ہو۔میں جانتی تھی، وہ نیند میں کروٹیں لیتا تھا،اپنی کافی میں کتنی

شکر اور دودھ ڈالتا تھا۔میں یہ بھی جانتی تھی اُس شیشے کے سامنے اس کا چہرہ کتنا سنجیدہ ہو جاتا تھا، جب وہ اُس میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے گیلے بال خشک کر رہا ہوتا، پھر میں نے سوچا اگر ہم اب بھی ساتھ ہوتے تو میں اِس بات پر کتنی پریشان ہو رہی ہوتی کہ میرے سیدھے ہاتھ کی نیل پالش فریج کی صفائی کرتے ہوئے خراب ہوگئی۔

باتوں کے درمیان اُسے کچھ یاد آیا اور اُس نے کہا۔''سنا ہے تم تانابے نامی لڑکے کے ساتھ رہ رہی ہو۔''

یہ سن کر میں چونک گئی۔ حیرت سے میرے ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا کپ چھلک گیا۔

''یونیورسٹی میں یہ بات مشہور ہے، کیا تمہیں نہیں پتا؟''

''تانابے کی محبوبہ یا یوں کہنا چاہیے سابقہ محبوبہ نے اُس کو کیفے ٹیریا میں تھپڑ مارا تھا۔''

''کیوں، میری وجہ سے؟''

''ایسا ہی لگتا ہے۔لوگ کہتے ہیں تم دونوں میں کافی قربت بڑھ چکی ہے۔''

''کیا واقعی؟''سوتارو،جوشیلے انداز میں بولا۔ مجھے پہلے اس کی بے تکلفی سے محبت تھی مگر ابھی اس احساس سے کوفت ہوئی۔ میں نے سوچا، یہ اس طرح میرے بارے میں کیوں سوچ رہا ہے؟

''وہ تانابے لڑکا۔''اُس نے کہا۔

''سُنا ہے کافی عجیب سا ہے۔''

''مجھے نہیں پتا۔''میں نے کہا۔

''میں اُس سے زیادہ نہیں ملتی اور ہم آپس میں زیادہ بات بھی نہیں کرتے۔اُس نے مجھے ایک پالتو کُتے کی طرح گھر میں رکھا ہوا ہے۔وہ مجھے اُس طرح پسند نہیں کرتا، جس طرح تم سوچ رہے ہو۔میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور اس واقعہ

کے بارے میں بھی میں کچھ نہیں جانتی ،جس کا ذکر تم نے ابھی کیا ہے۔''

''مجھے سمجھ نہیں آتی ،تم کسی کو کس وجہ سے پسند کرتی ہو،اس کی منطق کیا ہوتی ہے؟''سوتارو نے کہا۔

''خیر یہ تمہارے لیے اچھا ہے۔تم وہاں کب تک رہو گی؟''

''مجھے کچھ اندازہ نہیں۔''

''اچھا!تو کیا تمہیں سوچنا نہیں چاہیے؟''اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں،سوچوں گی''میں نے جواب دیا۔

گھر واپسی کے لیے ہم دونوں پارک کے راستے سے ہی گزرے۔تانابے خاندان کا اپارٹمنٹ درختوں کے پیچھے سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''میں وہاں رہتی ہوں''میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کتنا اچھا اپارٹمنٹ ہے بالکل پارک کے برابر،اگر میں وہاں رہتا ہوتا تو ہر صبح پانچ بجے صبح کی سیر کے لیے نکلتا۔'سوتارو' نے مسکراتے ہوئے کہا۔وہ کافی دیو قامت تھا ۔اُس کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا اگر ہم ابھی تک ساتھ ہوتے تو یہ میرے بال کھینچ کر زبردستی ایسا ایک اپارٹمنٹ لینے پر مجبور کرتا اور مجھے یونیورسٹی لے جانے کے لیے بھی ہنگامہ برپا کرتا۔

مجھے اس کی یہ خوبی بہت پسند تھی۔ وہ اپنے جذبات کو پوری طرح قابو میں رکھتا تھا،مگر اُن دنوں جب ہم ساتھ ہوا کرتے تھے،اس کی یہ والی خوبی مجھے تھکا دیتی تھی۔مجھ میں چونکہ یہ خوبی نہ تھی،جس کی وجہ سے مجھے کبھی کبھی اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی۔

وہ ایک بڑے خاندان کا بیٹا تھا۔مثبت سوچ اُسے خاندانی وراثت میں ملی تھی۔اُس کی یہی خوبی مجھے اُس کی طرف مائل کرتی مگر اب مجھے تانابے خاندان کی عجیب وغریب خوش مزاجی اور لب ولہجے کا ٹھہراؤ بھی اچھا لگنے لگا تھا لیکن یہ بات میں نے اُس کو

سمجھانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ میں جانتی تھی، وہ نہیں سمجھے گا۔ ''سوتارو'' ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ میں جب اُسے اپنے مزاج کے لحاظ سے دیکھتی تو اداس ہو جاتی تھی کیونکہ وہ میرے جیسا نہیں تھا۔

''اب میں جاؤں؟'' میں نے دل کی گہرائیوں سے یہ جملہ ادا کیا اور بین السطور میں یہ سوال بھی چھپا ہوا تھا کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لیے محبت ہے؟ میری آنکھیں سراپا سوال تھیں۔

''اُداس نہیں ہونا۔'' وہ مسکرایا مگر اس کی آنکھوں میں جواب واضح تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے الوداعی انداز میں کہا اور پھر ہم جدا ہو گئے۔ میرے دل میں جنم لینے والا یہ احساس دھیرے دھیرے معدوم ہو گیا۔

اس شام میں ایک ویڈیو دیکھ رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور ''یواچی'' ایک بڑا سا ڈبہ ہاتھوں میں اُٹھائے اندر داخل ہوا۔

''تم آ گئے؟'' میں نے کہا۔

''میں نے ایک ورڈ پروسیسر خریدا ہے۔'' اُس نے خوشی سے کہا۔ مجھے احساس ہوا، ان لوگوں کو نئی چیزیں خریدنے کا شوق نقصان دہ حد تک اور وہ بھی زیادہ تر بجلی سے چلنے والی مہنگی اشیاء۔

''بہت عمدہ ہے'' میں نے کہا۔

''تمہیں کچھ لکھوانا ہے؟ اس کی لکھائی بہت اچھی ہے۔''

''ہاں'' میں سوچ رہی تھی، مجھے جو گیت پسند ہے، اس کی شاعری لکھوا لوں مگر ــــــ یواچی کہنے لگا۔ ''تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن میرا یہ خیال ہے تمہیں اپنی رہائش گاہ کی تبدیلی کی اطلاع بذریعہ پوسٹ کارڈ دینی چاہیے اور وہ پوسٹ کارڈز میں اس مشین پر ٹائپ کر دوں گا۔ ان کو چھپوا کر تقسیم کر دیں گے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''تم اِس شہر میں بغیر پتے اور فون نمبر کے کب تک رہو گی؟''

''مگر اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی کیونکہ مجھے ابھی گھر بدلنا ہے لہٰذا پھر سے مجھے نئے پوسٹ کارڈز چھپوانے پڑیں گے۔''

''جہنم رسید ہو نیا گھر'' وہ غصیلے لہجے میں بولا پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نرمی سے کہنے لگا۔ ''ٹھیک ہے لیکن ابھی تم نئے کارڈز بنوالو۔''

وہ باتیں جو ''سوتارو'' نے مجھے ''یوایچی'' کے بارے میں کہی تھیں، وہ میرے ذہن میں گردش کر رہیں تھیں۔ ''ہاں مگر تمہارا نہیں خیال میرا یہاں رہنا کچھ عجیب نہیں اور پھر تم لوگوں کو مشکل پیش نہیں آ رہی؟''

''تم کیا بات کر رہی ہو'' اُس نے میری طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت اگر وہ میرا محبوب ہوتا تو میں شاید اُس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیتی۔ اس مجبوری کے لمحے میں اچانک میرے دل میں اُس کے لیے نفرت پیدا ہوئی۔ وہ سمجھتا کیوں نہیں تھا؟۔

''میں نے گھر تبدیل کر لیا ہے، آپ مجھ سے درج ذیل پتے اور فون نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں''

میکاگے ساکورائی

ٹیلی فون نمبر:۔۔۔۔۔۔

اپارٹمنٹ:1002

وارڈ :۔۔۔۔۔۔

ٹوکیو۔ جاپان

یوایچی نے مجھے پوسٹ کارڈز کا خاکہ نمونے کے طور پر دکھایا اور پھر اس کی مزید کاپیاں بنانے لگا۔ میں ان پر پتے لکھنے لگی۔ یوایچی نے میری مدد کی۔ آج رات اُس

کے پاس فراغت بھی تھی۔ایک اور بات میری سمجھ میں یہ آئی کہ اُسے فارغ وقت سے نفرت تھی۔

ہمارے قلم کی آوازیں جو کاغذ پر لکھنے سے پیدا ہو رہی تھیں،وہ گھر سے باہر ٹھہری ہوئی شام میں گرتے ہوئے بارش کے قطروں کی ہم آواز ہوگئی تھیں۔باہر گرم ہوا بہار کے جھاڑے کی طرح چل رہی تھی۔ایسا لگتا تھا ہوا کھڑکی سے باہر رات کے نظارے کو بھی اپنے ساتھ اُڑا لے جائے گی۔میں اپنے پرانے دوستوں کے نام لکھتی گئی۔غلطی سے ''سوتارو'' کا نام بھول گئی۔ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ہم درختوں اور ٹیلی فون کی تاروں سے پیدا ہونے والا شور سُن سکتے تھے۔میں نے آنکھیں بند کرلیں اور اپنا سر میز پر ٹکا دیا۔بند آنکھوں کے پیچھے میری سوچ نیچے دکانوں اور گلیوں میں ٹہل رہی تھی۔یہ میز اس فلیٹ میں کیا کر رہی ہے،میں نہیں جانتی تھی۔ضرور ''یواچی'' کی والدہ نے خریدی ہوگی۔

''سونا مت''یواچی نے کہا۔

''میں نہیں سو رہی،مجھے یہ پوسٹ کارڈز لکھنے میں مزا آ رہا ہے۔''

''ہاں،مجھے بھی۔گھر بدلنا،پوسٹ کارڈز لکھنا مجھے بہت پسند ہے۔''

''ہاں مگر''میں نے دوسری مرتبہ پھر موضوع چھیڑا۔''اِن کارڈز سے افواہیں پھیلیں گی،تمہیں کیفے ٹیریا میں تھپڑ مارا جائے گا۔''

''تم اس بات سے واقف ہو؟''اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔یہ مسکراہٹ کچھ مختلف تھی۔

''اس لیے یہ بہتر نہیں،ہم معاملات کو حقیقت پسندی سے دیکھیں۔تم نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو''اُس نے کہا۔

''تمہارے خیال سے پوسٹ کارڈز کوئی کھیل ہے جو ہم دونوں کھیل رہے ہیں؟''

''پوسٹ کارڈز کا کوئی کھیل بھی ہوتا ہے؟''

''تمہیں نہیں پتا؟''

ہم دونوں ہنسے۔اس کے بعد گفتگو کا رُخ دوبارہ اس طرف نہیں ہوا۔میں بھی آخر کار اُس کے عجیب مزاج کو سمجھ گئی۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے واضح طور پر محسوس ہوا۔

وہ بہت اُداس تھا۔۔۔

سوتارو نے کہا تھا یواچی کی محبوبہ ایک سال سے اس کے ساتھ تھی مگر اس کو بالکل سمجھ نہیں پائی تھی۔اسی وجہ سے وہ اکثر خفا بھی ہوجاتی تھی۔وہ کہتی تھی یواچی کسی لڑکی سے زیادہ قلم سے محبت کرتا ہے۔مجھے چونکہ یواچی سے محبت نہیں تھی ،اس لیے میں یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی ۔اُس کے لیے قلم کی اہمیت دوسروں سے بالکل انوکھی تھی۔اس دنیا میں شاید ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے قلم سے اندھی محبت کرتے ہیں۔یہ افسوس ناک رویہ تھا۔کسی کو اگر یواچی سے محبت نہیں تو وہ اس بات کو سمجھ سکتا تھا۔

''اس کا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔''یواچی نے بغیر سر اُٹھائے کہا۔وہ میری خاموشی سے بے چین ہورہا تھا۔''اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے۔''

''شکریہ''نہ جانے کیوں میں اس کا شکریہ ادا کررہی تھی۔

''آپ کا شکریہ سرآنکھوں پر۔''اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

مجھے لگا ،میں نے اُسے چھولیا۔ایک مہینہ ساتھ رہنے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ اُسے چھوا اگر ایسا تھا پھر شاید مجھے اُس سے محبت ہوجائے گی۔جب پہلی بار محبت کے جذبے نے مجھے اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا تو میں نے اس سے لڑنے کی کوشش کی تھی ،اُس کو دبایا تھا مگر اب کے معاملہ مختلف تھا۔ہمارے درمیان ہونے والی یہ گفتگو ایسی تھی جیسے آسمان پر بادلوں کے تیرتے ہوئے ٹکڑوں کے درمیان کہیں کہیں دکھائی دیتے

ہوئے چمکدار ستارے۔شاید گفتگو کا یہ رنگ ہمیں محبت کے بندھن کی طرف لے جائے۔

مگر پوسٹ کارڈز لکھتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی ، مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔ یہ واضح تھا یواپچی اور اس کی محبوبہ کے جھگڑے کا سبب میرا یہاں رہنا تھا۔ مجھے نہیں پتا، میں اب دوبارہ اکیلے رہ پاؤں گی کہ نہیں۔ میں خود کلامی کرتی رہی، مجھے یہاں سے جلدی جانا ہوگا اور ساتھ میں رہائش گاہ کی تبدیلی کے کارڈز بھی لکھتی گئی جبکہ یہ متضاد رویہ تھا۔

لیکن مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔ میں اپنے آپ سے یہی بات بار بار کہہ رہی تھی اور اسی وقت دروازہ کھلا اریکو بڑا ساڈبہ اُٹھائے اندر داخل ہوئیں۔ میں نے اُنہیں حیرانی سے دیکھا۔

''کیا ہورہا ہے،کلب کیسا چل رہا ہے؟''یواپچی نے پوچھا۔

''بس میں وہیں جارہی ہوں۔دیکھو میں نے کیا خریدا،جوس بنانے والی مشین۔''اریکو نے خوشی سے کہا۔ یہ لوگ سمجھ سے بالاتر ہیں۔میں نے دل ہی دل میں سوچا۔''میں صرف یہ چھوڑنے آئی تھی،تم لوگ اس کو استعمال کرو۔''

''آپ اگر بتادیتیں تو ہم بازار سے خرید لاتے۔''یواپچی قینچی سے دھاگے کاٹ رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں،یہ مشین زیادہ بھاری نہیں تھی۔''

کچھ ہی دیر میں جب ڈبے کو کھولا ،اندر سے ایک جوس بنانے والی شاندار مشین نکلی۔

''سنا ہے تازہ جوس جسم کی کھال کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔''اریکو نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے کہا۔

''آپ کی عمر اس فائدے کو اب حاصل نہیں کرسکتی۔''یواپچی نے نگاہیں اپنے کام پر رکھتے ہوئے کہا۔

اتنی بے تکلفی سے میرا سر چکرانے لگا۔ایسا لگ رہا تھا،میں مشروبات کا کوئی ٹی وی پروگرام دیکھ رہی ہوں، جہاں سب عجیب وغریب ماحول میں رہنے کے باوجود

بہت خوش ہیں۔

''اُوہو'' ایریکو نے کہا۔''میکا گے اپنے نئے پتے کے پوسٹ کارڈز لکھ رہی ہے۔ یہ بہت اچھا ہے۔ میں اس کے لیے نئے گھر کا تحفہ بھی لائی ہوں۔''

پھر انہوں نے ایک اور چھوٹا ڈبہ نکالا ، اس میں سے شیشے کا ایک خوبصورت گلاس نکلا۔

''بہت سارا جوس پینا،ٹھیک ہے؟'' ایریکو نے کہا۔

''ہمیں ابھی کیلے کا جوس پینا چاہیے۔'' یوایچی نے کہا۔

''بہت خوب'' میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے سوچا جب میں یہاں سے جاؤں گی تو یہ گلاس ساتھ لے کر جاؤں گی اور میں یہاں سے مستقل طور پر جب کسی اور رہائش گاہ میں منتقل ہوجاؤں گی تو کبھی کبھی سوپ والے چاول پکانے آیا کروں گی۔ میں یہ سوچ رہی تھی مگر کہہ نہیں سکتی تھی۔ تحفے میں ملنے والا گلاس بہت خاص تھا۔

اگلے دن مجھے اپنا فلیٹ مکمل طور پر خالی کر دینا تھا۔آخر کار میں نے اُسے صاف کر ہی دیا۔ مجھے بہت تھکن محسوس ہورہی تھی۔ایک صاف اور چمک دار دوپہر تھی۔ ہوا رُکی ہوئی تھی۔ بادل نہیں تھے ۔گرم اور سنہری سورج کی کرنیں خالی کمروں میں پڑ رہیں تھیں۔جن کو میں پہلے گھر کہتی تھی اب وہ صرف خالی کمرے تھے۔

گھر کی منتقلی میں تاخیر ہونے کی معذرت کرنے ، میں اپنے مالک مکان کے پاس گئی۔

بچپن میں جیسا ہوتا تھا،ہم چائے ساتھ بیٹھ کر پیتے تھے۔آج بھی حسبِ روایت ہم نے ساتھ بیٹھ کر چائے پی۔ مجھے احساس ہوا،وہ کتنے بوڑھے ہوگئے تھے۔مجھ سے پہلے اس کرسی پر میری دادی بیٹھا کرتی تھی،جس پر آج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھی

چائے پیتے ہوئے موسم اور حالاتِ حاضرہ پر بات کر رہی تھی۔ عجیب سا لگ رہا تھا۔

یہ ایک ایسی تبدیلی تھی جس نے مجھے میرے ماضی سے یکدم جدا کر دیا۔ اس سوچ نے مجھے چونکا دیا مگر اس تبدیلی کی وجہ میں خود نہیں تھی۔ سب کچھ خود بخود تبدیل ہو رہا تھا۔ یہ سب کچھ میرے لیے بہت کربناک تھا۔

فلیٹ پر پڑنے والی روشنی کی کرنوں سے ابھی تک ہماری زندگی کی مہک آ رہی تھی۔ وہ شب روز جو ہم نے اس فلیٹ میں گزارے تھے۔ ان کی مانوس خوشبو سورج کی روشنی میں رچی بسی تھی۔

کچن کی کھڑکی۔۔۔۔۔۔ دوستوں کے مسکراتے چہرے۔ یونیورسٹی کیمپس کی تروتازہ ہریالی۔ دادی کی فون پر آواز جب وہ مجھے رات کو فون کیا کرتی تھیں۔ سرد صبح میں بستر کی گرمائش۔ دادی کی چپلوں کی آواز جب وہ برآمدے میں چلتی تھیں۔ پردوں کے رنگ، تاتامی قالین، دیوار پر آویزاں گھڑی۔ یہ سب کچھ اب وہاں نہیں تھا۔

جب میں فلیٹ سے نکلی تو شام ہو چکی تھی۔ غروبِ آفتاب کی مدھم روشنی آسمان کو زرد کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ ہوا تیز ہو رہی تھی۔ جسم کی کھال پر ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ میں بس کا انتظار کر رہی تھی۔ میرا باریک کوٹ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

میں نے بس اسٹاپ پہ کھڑے اونچی عمارتوں اور کھڑکیوں کی قطار کو دیکھا جن میں سے خوبصورت نیلی روشنی منعکس ہو رہی تھی۔ یہ منظر نہایت خاموشی سے چمک رہا تھا اور خیال کے کینوس پر یہ ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے ادھورے اندھیرے میں پورا منظر پگھل رہا ہو۔

میں نے فلیٹ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی بچی کھچی چیزیں دونوں ہاتھوں میں اُٹھا لیں۔ میں نے سوچا کہ اب کم از کم میں دو جگہوں کی کشش میں مبتلا نہیں رہوں گی۔ جب میں نے یہ سوچا تو عجیب سا لگا اور میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

مجھے بس آتی ہوئی دکھائی دی۔لوگ قطار کی صورت بس میں سوار ہوئے۔بس بھر چکی تھی۔میں بھی اس میں سوار ہوکر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔تاریکی میں ڈوبتی ہوئی شام میں آسمان کو دیکھتی رہی جو میرے دیکھتے دیکھتے عمارتوں کے پیچھے چھپتا چلا گیا۔جب بس نے رفتار پکڑی تو میری آنکھیں نئے چاند پر آکر رُک گئیں،وہ دھیرے سے آسمان کو عبور کررہا تھا۔

میرے غصے اور بے چینی کے تاثرات،جب بھی بس جھٹکے سے رکتی تھی،مجھے بتا رہے تھے،میں کتنی تھک چکی ہوں۔جتنی بار بھی بس رکتی میں آسمان کی طرف دیکھتی۔ایک بادل کا ٹکڑا ہوا کے زور سے پھسلتا ہوا جارہا تھا۔اُس کو غور سے دیکھ کر مجھے خوشی کا احساس ہوا۔اُس نے چاند کی تیز روشنی کی طرح آسمان کی وسعت کو طے کیا۔

پھر بس میں بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت نے اپنی پوتی سے آہستہ آواز میں کہا''دیکھو'یوکی' جہاز خوبصورت ہے نا؟''

وہ چھوٹی لڑکی جس کا چہرہ پوتی ہونے کی زندہ علامت تھا۔وہ بُرے موڈ میں تھی،شاید ٹریفک اور لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے۔اُس نے غصے سے کہا''تو میں کیا کروں؟''ہم ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟ مجھے نیند آرہی ہے۔''

وہ بچی اکھڑ مزاج تھی۔میں بھی بچپن میں ایسے ہی کیا کرتی تھی خاص طور پہ جب میں تھکی ہوئی ہوتی تھی۔تم بہت پچھتاؤ گی اپنی دادی سے ایسے بات کرکے۔میں نے سوچا۔

''فکر نہ کرو گھر آنے والا ہے،وہ پیچھے دیکھو،تمہاری امی سوگئی ہیں،ان کو مت جگانا۔''

''ہاں واقعی امی تو سوگئی ہیں۔''یوکی نے اپنی امی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

یہ سب کتنا اچھا ہے۔میں نے سوچا۔دادی کا نرم لہجہ اور بچی کا مسکراتا ہوا خوبصورت

چہرہ دیکھ کر مجھے حسد ہونے لگا۔کیا میں اب کبھی اپنی دادی کونہیں دیکھ پاؤں گی۔

کبھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔یہ الفاظ جذبات سے کتنے ہی لبریز کیوں نہ ہوں یا پھر کتنے ہی محدود لیکن مجھے ان لفظوں نے چونکا دیا۔میں نے ان لفظوں کو جذبات کے بغیر سوچنے کی کوشش کی۔بس کے اندر جھٹکے لگنے کے باوجود میں نے اُس بادل پر نظر رکھنے کی کوشش کی مگر وہ لفظ جن کو میں نے ابھی سوچا تھا،اُن کی طاقت نے مجھے اندر سے پگھلا دیا اور میرے گالوں پر ریشمی آنسو بہنے لگے۔

میں حیران رہ گئی۔کیا میں پاگل ہو رہی تھی؟میں نے سوچا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نشے میں گر رہی ہوں۔میرا جسم مجھ سے جدا ہو رہا تھا۔میرے آنسوؤں کی شدت میں تیزی آ گئی۔میں نے اپنا چہرہ شرم سے سُرخ ہوتا ہوا محسوس کیا اور پھر میں بس سے اُتر گئی۔بس کو جاتے ہوئے دیکھا اور بغیر سوچے سمجھے ایک اندھیری گلی میں جا کر بیٹھ گئی۔اپنے سامان کے بیچ بیٹھ کر روتی رہی۔میں پہلے کبھی اس طرح نہیں روئی تھی جب گرم آنسو بہہ رہے تھے تو مجھے یاد آیا،دادی کی موت کے بعد میں کبھی ٹھیک سے رونہیں پائی تھی۔ایسا لگ رہا تھا،میں کسی ایک دکھ کی خاطر نہیں رو رہی تھی بلکہ میرے اندر کئی دکھوں کا لاوا تھا جو آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلا۔میں نے سر اٹھایا تو ایک روشن کھڑکی میں سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔میں نے غور سے سُنا تو اندر سے خوش گپیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔اُبلتے ہوئے سوپ کی خوشبو،برتنوں کی کی کھنکناتی ہوئی آوازیں۔

وہ ایک کچن تھا۔۔۔۔۔۔

میں حیرانی سے مسکرا دی۔کس طرح اتنے شدید غم سے ایکدم اچھا محسوس کرنے لگی تھی۔میں کھڑی ہوئی۔اپنا اسکرٹ درست کیا اور پیدل تانابے کے گھر کی طرف چل پڑی۔میں نے خداؤں سے دعا کی۔برائے مہربانی مجھے جینے دو۔''مجھے نیند آ رہی ہے۔''میں نے یواچی سے بستر پر جاتے ہوئے کہا۔آج کا دن تھکن سے بھرپور دن

تھا پھر بھی اتنا رونے کے باوجود میں ایک چھوٹے بچے کی طرح معصوم نیند سوئی۔

مجھے لگا جیسے میں نے اپنے ذہن میں یہ گونج سنی کہ یواچی کچن میں چائے بنا رہا ہو اور کہہ رہا ہو'' کیا تم ابھی سے سوگئی؟''

میں نے خواب دیکھا۔ میں اپنے پرانے فلیٹ کے کچن کا بیسن دھو رہی ہوں جو چیز مجھے سب سے زیادہ یاد آرہی تھی ، وہ فرش کا پیلا اور سبز فرش تھا۔ جب میں وہاں رہتی تھی تو مجھے ان رنگوں سے نفرت تھی مگر اب میں وہاں سے جا چکی تو مجھے ان رنگوں سے دلی محبت ہوگئی۔

شیلف اور کچن کی پہیوں والی ٹرالی ، دونوں خالی تھے۔ سب سامان کچھ عرصہ پہلے باندھا جا چکا تھا پھر میں نے دیکھا، وہاں یواچی بھی تھا۔ وہ کپڑے سے فرش صاف کر رہا تھا۔ مجھے سکون مل گیا۔

''ابھی آرام کرلو ، چائے پیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ خالی فلیٹ میں میری آواز گونجی۔ فلیٹ بہت بڑا لگ رہا تھا۔

''ضرور'' یواچی نے کہا۔ میں نے سوچا یواچی ایسا ہی ہے۔ کسی دوسرے کے لیے فرش صاف کرتے ہوئے پسینے میں نہا گیا۔

''تو یہ تمہارا کچن ہے۔'' یواچی نے کہا۔ وہ زمین پر پڑے گدے پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ ''بہت مزا آتا ہوگا؟'' اُس نے کہا۔

''ہاں بہت'' میں نے جواب دیا۔ میں بھی پیالی کو ہاتھوں میں پکڑے چائے پی رہی تھی۔ اتنی خاموشی تھی جیسے کسی شیشے کے شوکیس میں ہوتی ہے۔ میں نے اوپر کی طرف دیکھا، دیوار پر صرف گھڑی کا فریم لٹکا رہ گیا تھا۔

''کیا وقت ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آدھی رات'' یواچی نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتا؟''

''باہر اتنا اندھیرا اور خاموشی جو ہے۔''

''اب کہاں جاؤں، میں رات کے اندھیرے میں بھاگ رہی ہوں۔''

''ہم جو بات کر رہے تھے، اُس پر آؤ۔''

''کیا تم ہمارے گھر سے بھی منتقل ہونے کا سوچ رہی ہو؟''

''نہیں جاؤ ہمارے گھر سے'' اس نے کہا۔

میں حیرانی سے اُس کو دیکھنے لگی۔ ہم تو یہ بات کر ہی نہیں رہے تھے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، میں بھی اریکو کی طرح جذباتی ہوں؟ مگر ایسا نہیں ہے، میں نے تمہیں مدعو کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچا تھا۔ تمہاری دادی کو تمہاری بہت فکر تھی اور اب شاید میں تمہارے جذبات کو سب سے بہتر سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے پتا ہے جب تم بہتر ہو جاؤ گی تو پھر وہی کرو گی جو تم کرنا چاہو گی مگر ابھی فوری طور پر کہیں اور منتقل ہونا غلط ہے۔ تمہارے پاس اور کوئی بھی نہیں جو تمہیں یہ سب باتیں بتائے۔ میری والدہ نے جو پیسے بچائے ہیں، وہ مشکل وقت کے لیے ہیں نہ کہ جوس کی مشین خریدنے کے لیے۔'' وہ ہنسا ''ہمارے ساتھ رہو بغیر کسی پریشانی کے۔''

اُس نے میری آنکھوں میں دیکھا اور انتہائی خلوص سے مجھے راضی کرنے کی کوشش کی۔

میں نے ہامی بھر لی۔۔۔۔۔۔

''اب میں اکیلا تو فرش صاف نہیں کروں گا۔'' اُس نے کہا۔

جب میں چائے کے برتن صاف کر رہی تھی۔ مجھے 'یوایچی' کے گنگنانے کی آواز آئی۔ اس کی آواز بہتے ہوئے پانی کے ساتھ گھل رہی تھی۔

چاند کی روشنی کے سائے کو چھیڑے بغیر

میں نے اپنی کشتی ساحل کے کنارے روکی

''واہ''میں نے کہا۔''یہ گانا مجھے بھی آتا ہے۔اس گلوکار کا کیا نام ہے؟ مجھے یہ بہت پسند ہے،کس کا گانا ہے؟''

''موموکوساکوچی کا۔کیسا دل کو چھو لینے والا گیت ہے نا؟''یواچی مسکرایا۔

''ہاں ہاں''

میں کچن کا بیسن صاف کرتی گئی۔یواچی کچن کا فرش صاف کرتا گیااور ہم ساتھ ساتھ گاتے بھی رہے۔آدھی رات کو کچن میں ایک دوسرے کی آوازیں سننے میں بہت مزا آرہا تھا۔

''اس گیت کا یہ حصہ مجھے خاص طور پر پسند ہے۔''میں نے دوسرا مصرعہ گاتے ہوئے کہا۔

دور فاصلے پر ایک لائٹ ہاؤس
آدھی رات میں ہم دونوں
تھرکتی ہوئی روشنی
ایسی لگتی ہے
جیسے درختوں کی شاخوں کے
درمیان سے پھوٹتی
ہوئی سورج کی روشنی

ہم دونوں نے یہ مصرعہ خوب جوش سے دوبارہ گایا۔ایسا لگتا تھا۔ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس گیت کی دھن پر سارا جہاں رقص میں ہے۔

دور فاصلے پر ایک لائٹ ہاؤس
آدھی رات میں ہم دونوں

تھرکتی ہوئی روشنی
ایسی لگتی ہے
جیسے درختوں کی شاخوں کے
درمیان سے پھوٹتی
ہوئی سورج کی روشنی

ایک دم سے میں نے کہا۔''رُک جاؤ'' برابر والے کمرے میں دادی ہمارے شور سے بیدار ہوجائیں گی۔''

یواچی فوراً رک گیا اور مجھے پریشانی سے دیکھنے لگا۔ میں نے شرم چھپاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

ایریکو کا بیٹا اچانک سے مجھے شہزادہ لگنے لگا تھا''صفائی کے بعد میرا دل نوڈلز کھانے کو چاہ رہا ہے۔'' اُس نے کہا۔

اور پھر ایکدم سے میری آنکھ کھل گئی۔ یہ سچ ہے، میں اتنی جلدی سونے کی عادی نہیں تھی لیکن وجہ یہ نہیں تھی۔ میں پیاس بجھانے کچن میں گئی اور سوچنے لگی کتنا عجیب خواب تھا۔ میرا دل عجیب بے چینی کا شکار ہوگیا۔ ایریکو ابھی تک گھر نہیں آئی تھیں۔ خواب کے دھندلے نقش ابھی تازہ تھے۔ گلاس میں پانی بھرنے کی آواز کو سنتے ہوئے میں نے سوچا، کیا مجھے بیسن صاف کرنا چاہیے؟ رات اتنی خاموش تھی مجھے لگا۔ میں آسمان پر ستاروں کی چہل قدمی کی آواز سن رہی ہوں۔ پانی کا گلاس میرے بنجر دل میں جذب ہوگیا تھا۔ مجھے کپکپاہٹ محسوس ہوئی، ننگے پاؤں چپل میں ٹھنڈے پڑ گئے۔

''کیا کام ہورہا ہے؟'' یواچی نے مجھے چونکتے ہوئے کہا۔''کیا؟'' میں چونک کر اُس کی طرف مڑی اور کہا۔

''بھوک سے میری آنکھ کھل گئی۔'' میں نے سوچا کچھ نوڈلز بنالوں۔'' یواچی کا چہرہ

نیند کے خمار سے آلودہ تھا۔ مجھے اپنا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا محسوس ہوا۔

''میں بنا دیتی ہوں۔''میں نے کہا۔''تم صوفے پر بیٹھو۔''

''اچھا''اُس نے کہا۔''تمہارا صوفہ'' وہ اس پر بیٹھ گیا۔

رات کی تاریکی میں کچن کے بلب کو میں نے روشن کرتے ہوئے فریج کھولا۔سبزیاں کاٹیں۔اپنی پسندیدہ جگہ کھڑے ہوئے''رامین نوڈلز'' کا خیال آیا کیا حسین اتفاق ہے۔بغیر مڑے میں نے کہا''میرے خواب میں بھی تمہیں''رامین نوڈلز''ہی چاہیے تھے۔

اُس نے کسی طرح کے ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔میں سمجھی وہ سو گیا۔جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔''میں نے کہا۔کیا تمہارے کچن کا فرش زردی مائل اور سبز ہوتا تھا؟''یوایچی نے پوچھا۔''یہ کوئی پہیلی تو نہیں۔''

یہ بہت عجیب سی بات تھی۔میں نے ہاں میں سر ہلایا اور کہا۔''فرش صاف کرنے کا شکریہ''عورتیں ایسی باتیں کتنی جلدی سمجھ لیتی ہیں۔

''ابھی میں جاگ رہا ہوں۔''اس نے کہا۔''اور میں حقیقت میں چاہتا ہوں تم میرے لیے چائے بناؤ۔''

''تم خود بنا لو''۔

''اچھا''اس نے کہا۔''تم جوس پیو گی؟''

''ضرور''یوایچی نے فریج سے انگوروں کے دو گچھے نکالے اور جوس والی مشین میں ڈال دیے۔میں نے کچن کے اندر اِس خاموش رات میں مشین کے شور میں نوڈلز کو اُبلتے ہوئے پانی میں ڈالا۔

یہ سب کچھ جو ہوا، بہت حیران کن تھا مگر ناممکن نہیں۔یہ کوئی بیک وقت ایک معجزہ

اور عام سا واقعہ تھا۔

میں نے اپنے جذبات دل میں دبا دیے۔ کچھ دیر میں اس موضوع پر بات کرنے کی چاہت بھی دم توڑ گئی۔ وقت بہت باقی تھا۔ صبح اور رات کے نہ ختم ہونے والے سلسلے میں خود کو دھرانے کے عمل میں، یہ لمحہ بھی محض ایک خواب بن جائے گا۔

''عورت ہونا آسان نہیں'' اریکو نے ایک شام اچانک سے کہا۔ میں نے اپنی نظر اُس رسالے سے ہٹائی جسے میں پڑھ رہی تھی۔ خوبصورت اریکو بالکونی میں رکھے ہوئے پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔

''کیونکہ مجھے تم پر بہت بھروسہ ہے۔ مجھے تم کو ایک بات بتانی ہے جو میں نے 'یواچی' کی پرورش کرتے ہوئے سیکھی۔ خدا جانتا ہے، وہ کتنا مشکل وقت ہوتا ہے جب کوئی اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ میں ہمیشہ سے مشورہ دیا کرتی ہوں جب آپ کسی کو حاصل کرلیں تو پھر اس کا خیال بھی رکھیں، چاہے وہ بچے ہوں یا گھر کے پودے۔ یہ کرنے سے آپ اپنی حدود کا تعین کر سکتے ہیں۔ سب کچھ اسی نقطے سے شروع ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اپنی زندگی کا فلسفہ بتا دیا۔

''زندگی کتنی مشکل ہوسکتی ہے'' میں نے اس کو محسوس کیا پھر انہوں نے کہا۔

''ہاں لیکن کوئی اگر سچی اور گہری مایوسی کے تجربے سے دوچار نہیں ہوا تو وہ بوڑھا ہوجائے گا یہ جانے بغیر، وہ زندگی میں کس مقام پر کھڑا ہے؟ یہ جانے بغیر حقیقی خوشی کیا ہوتی ہے؟۔ میں اُس مایوسی کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے زندگی کی تلخیوں سے روشناس کروایا۔ مجھے سچی خوشی محسوس کرنے کی صلاحیت دی۔''

کروں گی۔ مجھے شکست نہیں ہوگی۔ میں اپنے جذبے کی طاقت کو کبھی ختم نہیں ہونے دوں گی۔

☆☆☆☆☆☆

خوابوں کے کچن۔۔۔۔۔۔

میرے پاس کئی ہوں گے۔ دل اور حقیقت میں، میری مسافت میں، اکیلے یا کئی لوگوں کے ساتھ یا کسی ایک شخص کے ساتھ، میں جہاں بھی رہوں گی۔ مجھے پتا ہے کئی اور ہوں گے۔۔۔۔۔۔

ذخیرہ کتب
انیس نقوی

پورا چاند

خزاں کے موسم میں اریکو کا انتقال ہو گیا۔۔۔۔۔

ایک نفسیاتی آدمی کو اُن سے محبت ہو گئی تھی، اُسی نے اُن کو جان سے مار دیا۔ اُس نے اریکو کو پہلی بار سڑک پر جاتے دیکھا تو اُسے وہ پسند آ گئیں۔ جب اُس نے اُن کا پیچھا کیا تو اُسے پتا چلا، وہ ایک ہم جنس پرست کلب میں کام کرتی ہیں۔ وہ اُن کو طویل خط لکھتا تھا۔ کلب کے آس پاس ٹہلتا رہتا تھا۔ وہ جتنا زیادہ وہاں رہتا تھا، اریکو اور دیگر لوگ اُسے اتنا ہی نظر انداز کرتے تھے۔ ایک رات اُس نے بہت ہنگامہ کیا کہ اُس کو بیوقوف بنایا گیا ہے اور اُس نے چاقو سے اریکو پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اس حملے میں وہ شدید زخمی ہو گئیں مگر مرنے سے پہلے انہوں نے کلب میں پڑے ہوئے ایک ڈنڈے سے اُس نفسیاتی شخص کو بھی مار مار کر ہلاک کر دیا۔

''یہ لو'' انہوں نے کہا۔ ''خود کو بچانے کی کوشش نے ہمیں ایک برابر کر دیا۔'' یہ اُن کے آخری الفاظ تھے۔

مجھے یہ بات سردیوں میں پتا چلی۔ کافی عرصے بعد 'یوایچی' نے مجھے فون کر کے بتایا۔

''اُنہوں نے لڑتے ہوئے جان دی۔'' یوایچی نے فوراً کہا۔ رات کا ایک بج رہا

تھا، میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے فون اٹھایا۔ مجھے نہیں پتا وہ کیا کہہ رہا تھا۔ میرے دماغ میں یہ واقعہ ایک جنگی فلم کی طرح چل رہا تھا۔

''یواپچی تم کیا کہہ رہے ہو؟''

طویل خاموشی کے بعد اُس نے کہا۔ ''میری ماں یا میرا باپ ہلاک ہو گئے ہیں۔''

مجھے سمجھ نہیں آیا۔ میں حیرانی سے کچھ کہہ نہیں سکی۔ وہ دھیرے دھیرے مجھے اریکو کی موت کی تفصیلات بتاتا گیا۔ ہر لفظ کے بعد یہ بات مزید حیرت انگیز ہوتی چلی گئی۔ میں خلا کو گھور رہی تھی، مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا، ٹیلی فون مجھ سے میلوں دور ہے۔

''یہ کب ہوا؟'' میں نے پوچھا جبکہ مجھے نہیں پتا تھا میں کیا کہہ رہی تھی۔

''اس واقعہ کو بیتے ہوئے کافی مدت گزر چکی ہے۔'' اُن کے دوستوں نے اُن کا ایک چھوٹا سا جنازہ کیا تھا۔ میں معذرت چاہتا ہوں، مجھ میں اُس وقت ہمت نہیں تھی کہ میں تمہیں بتا سکتا۔''

مجھے ایسا لگا کسی نے میرے جسم کو نوچ کر سارے اعضاء نکال لیے ہوں۔ وہ اب یہاں نہیں تھیں۔ وہ اب کبھی بھی کہیں نہیں ہوں گی۔۔۔۔۔۔

''مجھے معاف کر دینا۔'' یواپچی بار بار یہی الفاظ دہراتا رہا۔

ٹیلی فون پر بات کر لینا صرف کافی نہیں تھا۔ میں اس کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔ کیا وہ رونا چاہ رہا تھا؟ یا پھر وہ ہنسنا چاہ رہا تھا؟ کیا وہ مجھ سے فون پر طویل گفتگو کا خواہش مند تھا یا پھر اس کی آرزو یہ تھی کہ اس کو اکیلا چھوڑ دیا جائے؟ میں اس کی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔

''یواپچی میں تمہارے گھر آ رہی ہوں۔ میں تم سے بات کرتے ہوئے تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور، میں تمہیں واپسی میں گھر چھوڑ دوں گا۔'' ظاہر ہے وہ مجھ سے ملنا چاہ رہا تھا مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کہ میں اس کے احساسات جان لوں۔

''جلدی ملتے ہیں۔''میں نے یہ کہا اور فون رکھ دیا۔

میں ایریکو سے آخری بار کب ملی تھی؟ کیا ہم ہنستے ہوئے جدا ہوئے تھے؟ میرا سر چکرا رہا تھا۔خزاں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔میں اپنی تعلیم مکمل کر کے ایک پکوان اسکول میں اسسٹنٹ کے طور پر نوکری کر رہی تھی، جب میں نے اُن کو آخری مرتبہ دیکھا تھا۔یہ وہ دن تھا جب میں اُن کے گھر سے کہیں اور منتقل ہو رہی تھی۔ایریکو کی آنکھوں میں آنسو تھے۔''تم محلے میں ہوگی تو ہم سے ملنے آیا کروگی نا؟''میں شاید اُن سے گزشتہ مہینے آخری بار ملی تھی اور ہماری یہ ملاقات ایک دکان پر ہوئی تھی۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔میں پوڈنگ لینے دکان پر گئی تو وہاں ایریکو سے آمنا سامنا ہوگیا۔اُن کے ہاتھ میں کافی کا ڈبہ تھا۔میں نے اُن کو مخاطب کیا۔''محترمہ ایریکو''انہوں نے مجھے دیکھا، میرے ہاتھ تھام لیے اور کہا۔''میکاگے جب سے تم نے ہمارا گھر چھوڑا ہے بہت کمزور ہوگئی ہو۔''وہ مسکرائیں۔وہ نیلے رنگ کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھیں۔جب میں دکان سے باہر نکل رہی تھی تو اُن کو دیکھا اور کہا''آج آپ میں کچھ مردانہ جھلک دکھائی دے رہی ہے۔''انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''بیچاری میں۔میری بیٹی بہت تیز ہے، شاید جوان ہو رہی ہے۔''میں نے جواب دیا ''میں جوانی کی حد کی پار کر چکی ہوں، شکریہ۔''اور ہم دونوں نے قہقہہ لگایا۔انہوں نے مجھے گھر آنے کی دعوت دی۔میں نے کہا، ضرور آؤں گی یوں ہم مسکراتے ہوئے جدا ہوگئے۔یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔

رات گزارنے کا سامان جمع کرنے میں کچھ وقت لگا۔میں سرکٹی مرغی کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔دروازے کھول بند کر رہی تھی۔غسل خانے کے چکر کاٹ رہی تھی۔گلدان توڑ رہی تھی اور فرش پر ان بکھری ہوئی کرچیوں کو جمع کر رہی تھی۔میں نے پریشانی کے عالم میں کئی چکر فلیٹ کے کاٹ لیے۔میں یہ سوچ کر مسکرائی کہ اتنی متحرک

ہونے کے باوجود ابھی تک میں کچھ جمع کیوں نہیں کر پائی۔''اپنی اس کیفیت پر قابو پاؤ'' ۔میں نے اپنے آپ سے کہا۔میں کافی دیر تک اس کیفیت کے بارے میں سوچتی رہی جو مجھ پر طاری ہوگئی تھی پھر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

آخر کار میں نے دانت صاف کرنے والا برش اور تولیہ بیگ میں ڈالے اپنے فلیٹ سے نکل آئی۔جب مجھے ہوش آیا تو خود کو ٹھنڈی سڑک پر پایا۔وہ سڑک تانابے کے گھر کو جاتی تھی۔میں اُس کے گھر جارہی تھی۔جب میں ستاروں بھرے آسمان کے نیچے چابیاں کھنکناتے ہوئے چل رہی تھی تو میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔وہ ٹھنڈی سڑک،میرے قدم،خاموش عمارتیں،سب کچھ کسی اور زمانے کا لگ رہا تھا۔میری سانس رُکنے لگی۔مجھے گھٹن کا شدید احساس ہوا۔ٹھنڈی ہوا میری آنکھوں میں اُتری تو مجھے سردی لگنے لگی۔

میری آنکھیں عام طور پر کچھ چیزوں کو الگ کر کے دیکھتی تھیں جیسے ٹیلی فون کے کھمبے،سڑکوں پر بلب کی روشنی،گاڑیاں اور سیاہ آسمان۔اب یہ سب کچھ دھندلا ہوگیا تھا۔اِن کے اس دھندلے پن میں ایک خاص طرح کی خوبصورتی تھی۔سب کچھ مجھ پر حاوی ہوتا ہوا محسوس ہوا۔مجھے ایسا لگا میرے جسم سے توانائی،قوت تیزی سے خارج ہونے لگی اور تاریکی میں بکھرنے لگی ہے۔

جب میرے والدین کا انتقال ہوا تو میں کمسن تھی۔دادا کا انتقال ہوا تو میرا ایک دوست تھا جس سے میں محبت کے رشتے میں بندھی ہوئی تھی اور جب دادی کا انتقال ہوا تو میں تنہا تھی مگر جس تنہائی کا سامنا مجھے اب ہے،یہ بہت اذیت ناک ہے۔

میں اپنے پورے دل سے ہار ماننا چاہتی تھی۔موت پر زندگی کو ہارنا چاہتی تھی۔اس میں کوئی شک نہیں تھا،آج کے بعد کل بھی آئے گا پھر پرسوں اور پھر اگلا ہفتہ لیکن مجھے یہ خبر نہیں تھی ،یہ سب کچھ اتنا کٹھن ہوگا۔اس ڈپریشن میں جینا ہوگا۔یہ سوچ کر میری اذیت

جسم سے روح میں اتر گئی۔ میں اپنے اندر شدید توڑ پھوڑ محسوس کر رہی تھی۔ درد نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا مگر پھر بھی میں رات کو ویران سڑک پر چلتی چلی جا رہی تھی۔

میں چاہتی تھی کہ یہ کیفیت جلدی سے ختم ہو جائے مگر ابھی یواپچی سے ملنا باقی تھا۔ وہ جو کہے گا اُسے سننا ہوگا مگر اس سے بھی کیا ہوگا؟ اس سے کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہ سوال بھی کوئی اُمید کا نہیں تھا۔ اِس سے تو میری مایوسی مزید بڑھنے کا خدشہ تھا۔ ساری امید ختم ہو جانے کے بعد میں نے یواپچی کے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ اپنے خیالوں میں گم مجھے خبر ہی نہیں ہوئی، کب میں دس منزلیں چڑھ کر اوپر پہنچ گئی۔

مجھے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جب میں وہاں رہتی تھی تو اکثر باہر جانے کے بعد مجھے یاد آتا تھا کہ میں چابی گھر بھول آئی ہوں۔ پتا نہیں میں کتنی بار اس طرح آدھی رات کو دروازے کی گھنٹی بجا چکی تھی۔ یواپچی ہمیشہ کی طرح بستر سے اٹھ کر دروازہ کھولنے آئے گا اور اس کے قدموں کی چاپ یونہی گونجے گی، جیسے ابھی گونجی تھی۔

''خوش آمدید'' ایک کمزور یواپچی نے میرا استقبال کیا۔

''کافی عرصے بعد ہماری ملاقات ہوئی ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں اُسے دیکھ کر دل سے خوشی محسوس کر رہی تھی۔

وہ منہ کھولے کھڑا تھا۔ ''کیا میں اندر آسکتی ہوں؟'' میں نے پوچھا۔ وہ مسکرایا اور کہا ''ہاں ضرور۔ میں سمجھ رہا تھا تم مجھ پر غصہ کروگی۔ اندر آجاؤ۔''

''میں غصہ کیسے کر سکتی ہوں، تم مجھے جانتے ہو۔''

''یہ بات تو ہے۔'' یواپچی نے کہا۔ میں اس کو دیکھ کر مسکرائی۔ دروازے کے پاس ہی اپنے جوتے اتارے۔ پہلے تو اس فلیٹ میں داخل ہو کے مجھے کچھ عجیب سا لگا مگر پھر میں صوفہ پر بیٹھی اور اس کی خوشبو سے مانوس ہوتی چلی گئی۔ یواپچی میرے لیے کافی بنا کر لے آیا۔

''ایسا لگتا ہے، یہاں آئے ہوئے کئی زمانے ہو گئے۔''

''ہاں! تم کافی مصروف ہوتی ہو گی۔تمہاری ملازمت کیسی چل رہی ہے؟'' یواچی نے پوچھا۔

''اچھی چل رہی ہے۔وہاں ہر چیز میں مزا آتا ہے، آلو چھیلنے میں بھی۔'' میں نے جواب دیا پھر 'یواچی' نے اپنی پیالی رکھی اور باتیں کرنے لگا۔

''آج پہلی مرتبہ میرے دماغ نے تمہاری طرح کام کرنا شروع کر دیا تھا۔میرا دل چاہا تمہیں بتاؤں۔اسی لیے میں نے فون کیا تھا۔ایریکو کی موت سے لے کر جنازے تک جو کچھ ہوا، وہ مجھ سے ہضم نہیں ہوا۔میرا دماغ بالکل خالی تھا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔میں ایریکو کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں رہا۔وہ میری ماں اور باپ دونوں تھے۔اُن کی وجہ سے مجھے کئی چیزوں کی فکر نہیں ہوتی تھی۔یہ اُن کی طرح کا ایک قیمتی احساس تھا جیسے انہوں نے عام موت مرنا پسند نہ کیا۔جنازے پہ قاتل کے بیوی بچے بھی آئے تھے۔کلب کی لڑکیوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔اس پورے وقت میں مجھے تمہارا خیال آتا رہا۔یہ سچ ہے مگر پتا نہیں کیوں میں تمہیں فون نہیں کر سکا۔مجھے خوف تھا اگر تمہیں بتا دوں گا تو سب کچھ حقیقت بن جائے گا۔اسی وجہ سے میں نے تمہیں بے خبر رکھا ورنہ میں جانتا تھا، تم اور ایریکو ایک دوسرے کے قریب تھے۔میں ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔''

میں نے اُس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔اس کے چہرے کے تاثرات سے متاثر ہو کر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ''پتا نہیں کیوں مگر موت ہر وقت ہمارے چاروں طرف ہوتی ہے۔میرے والدین، دادا، دادی، تمہاری حقیقی ماں اور ایریکو، اس وسیع کائنات میں، ہم دونوں جیسی کوئی اور جوڑی نہیں ہو سکتی۔یہ حیران کن ہے کہ ہم دونوں دوست ہیں، ارد گرد اتنی ساری موت۔

''واقعی''یواپچی مسکرایا۔

''ہم دونوں کوایک ساتھ مل کر تجارت کرنی چاہیے۔گاہک ہمیں اس بات کی رقم ادا کریں گے کہ ہم اُن کے ہاں آ کر رہیں تا کہ وہ جس کے لیے موت کی خواہش رکھتے ہیں، ہماری وجہ سے اُس کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے۔ہم خود کو موت کے مزدور کہیں گے۔''

اُس کا اداسی بھرا پُرکشش چہرہ ایک دھیمی روشنی کی طرح چمک رہا تھا۔رات اپنے ردھم میں آگے بڑھ رہی تھی۔میں نے کھڑکی سے باہر روشنیوں کو دیکھا۔شہر روشنی کے چمکیلے نقطوں سے بھرا ہوا تھا۔گاڑیوں کی قطاریں اندھیرے میں روشنی کے دریا کی طرح بہہ رہی تھیں۔

''اب میں یتیم ہو چکا ہوں۔''یواپچی نے کہا۔

''میں دُہری یتیم ہوں۔''میں نے دھیمی مسکراہٹ سے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''مجھے ضرورت تھی کہ تم مجھے ہنساؤ۔''اس نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔میں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔''مجھے فون کرنے کا شکریہ''میں نے نرم لہجے میں کہا۔

ہم نے یہ فیصلہ کیا ایریکو کا لال سویٹر مجھے ملنا چاہیے۔میں نے وہ شام یاد کی جب میں نے یہ پہنا تھا تو انہوں نے کہا تھا''افسوس ہے اتنا مہنگا سویٹر مجھ سے زیادہ تم پر اچھا لگ رہا ہے۔''

اس کے بعد 'یواپچی' نے ایریکو کی کمرے میں رکھی الماری کی دراز سے اُن کی لکھی ہوئی طویل وصیت نکالی اور مجھے دے کر خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔میں نے اُسے پڑھا۔

پیارے یواپچی!

مجھے اپنے بچے کو خط لکھتے ہوئے بہت عجیب لگ رہا ہے۔میری جان کو خطرہ

ہے،اس لیے میں یہ لکھ رہی ہوں خدانخواستہ مجھے کچھ ہو جائے۔نہیں میں مذاق کر رہی ہوں۔ہم جلدی دونوں مل کر یہ خط پڑھیں گے اور ہنسیں گے۔

یواچی میں جو کہنے والی ہوں،اس پر غور کرنا اگر میں مرجاؤں تو تم بالکل اکیلے ہو جاؤ گے لیکن تمہارے پاس 'میکاگے' ہے۔میں مذاق نہیں کر رہی۔ہمارے کوئی رشتے دار بھی نہیں ہیں۔جب میں نے تمہاری ماں سے شادی کی تھی تو اس کے خاندان سے تعلق ختم کرلیا تھا۔میں تم سے درخواست کرتی ہوں،اُن سے کبھی تعلق مت جوڑنا۔ٹھیک ہے۔

ہاں'یواچی'اس دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔کچھ لوگ اپنی زندگی غلاظت میں گزارنا چاہتے ہیں۔ایسے لوگ میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ایسے لوگ جان بوجھ کر توجہ حاصل کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتے ہیں مگر اپنے ہی اعمال میں پھنس جاتے ہیں۔مجھے ایسے لوگ کبھی سمجھ نہیں آتے اور وہ کتنا ہی کیوں نہ پچھتائیں،مجھے ان پر رحم نہیں آتا۔میں نے اپنے جسم کو اپنی قسمت بنا لیا ہے۔میں خوبصورت ہوں،حسین ہوں اگر وہ لوگ جن کی میں پرواہ نہیں کرتی ،مجھ سے متاثر ہوتے ہیں تو میں اسے خوبصورتی کی قیمت سمجھوں گی۔میں اگر قتل ہوگئی تو یہ ایک حادثہ ہوگا۔تم صرف یقین رکھنا میری اُس شخصیت پہ جسے تم جانتے تھے۔

اِس وقت میں ایک مرد کی زبان میں لکھنا چاہتی تھی مگر میں نے اس حقیقت کو سمجھا کہ میں جسم اور روح، دونوں میں عورت ہوں۔نام اور حقیقت دونوں میں ''ماں'' ہوں۔یہ سوچ کر میں مسکرانے بھی لگتی ہوں۔

مجھے اپنی زندگی سے محبت ہے۔وہ سال میں جن میں مرد تھی۔وہ سال جو میں نے تمہاری ماں کے ساتھ گزارے اور پھر وہ سال جب میں عورت تھی ۔تمہیں بڑا ہوتے ہوئے دیکھا اور میکاگے کو اپنے خاندان میں شامل ہوتے دیکھا۔میکاگے کی ہمارے گھرانے میں شمولیت میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کا باعث تھی۔ میں اس کو دوبارہ

سے اپنے گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں، وہ میری انمول بچی ہے۔

میری طرف سے اُس کی خیریت پوچھنا۔اُسے کہنا ،لڑکوں کے سامنے اپنی ٹانگوں کے بال صاف نہ کرے، یہ غیر اخلاقی حرکت ہوتی ہے۔

اس خط کے ساتھ کاغذات میں تمہیں جائیداد کی تفصیلات مل جائیں گی۔مجھے پتا ہے یہ قانونی کاغذات تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے،اس لیے وکیل کو فون کر لینا۔میں نے سب کچھ تمہارے نام کر دیا ہے سوائے کلب کے۔اکلوتا بچہ ہونا کتنا اچھا ہوتا ہے نا؟''

فقط

اریکو

جب میں نے خط پڑھنا ختم کیا تو اس کو تہہ کر کے رکھ دیا۔اس خط میں سے اریکو کی پسندیدہ خوشبو میرے دل میں اتر گئی۔میں نے سوچا جب کئی اور مرتبہ یہ خط کھولا جائے گا تو یہ خوشبو بھی ختم ہو جائے گی اور یہ بہت تکلیف دہ احساس تھا۔

وہ صوفہ میرا بستر تھا،جب میں وہاں رہتی تھی۔میں اس پر جا کر لیٹ گئی۔ماضی کی یاد اتنی حساس تھی ،میں ایک کرب میں مبتلا ہوگئی۔رات ویسی ہی تھی۔میں وہیں اُسی کمرے میں تھی۔پودوں کے سائے کھڑکی سے باہر بالکونی سے نیچے شہر کو دیکھ رہے تھے۔

میں چاہے کتنی دیر بھی جاگ کر انتظار کرلوں،اب وہ نہیں آئیں گی۔۔۔۔۔

طلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے مجھے گنگنانے ،قدموں کی آہٹ اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔جب کلب بند ہو جاتا تھا،وہ اس وقت گھر آتی تھیں۔ان کے آنے سے گھر کا سکوت ٹوٹتا تھا اور اکثر میری آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔جب میں غسل خانے کے نل کی آواز،اُن کی چپلوں اور کچن میں ابلتے ہوئے پانی کی آواز سنتی تو دوبارہ سکون سے سو جاتی تھی۔مجھے وہ کتنا یاد آرہی تھیں۔مجھے لگتا تھا میں پاگل ہو جاؤں گی۔

مجھے پتا نہیں تھا میرے رونے سے یواپچی جاگ گیا ہوگا یا وہ بھی کسی کربناک خواب میں گم ہوگا؟

اُس رات ہم دونوں کے سامنے ایک دروازہ کھلا ہوا تھا، قبر کا دروازہ۔۔۔۔۔۔

ہم اگلے دن دوپہر تک سوتے رہے۔ میں نے آفس سے چھٹی کی تھی۔ ڈبل روٹی کھاتے ہوئے اخبار پڑھ رہی تھی کہ کمرے سے یواپچی نمودار ہوا۔ اُس نے منہ دھویا، میرے برابر آ کر بیٹھا اور اپنے لیے گلاس میں دودھ نکالا۔

''سوچ رہا ہوں، کلاس لینے چلا جاؤں''

''تم طلبا کی زندگی کتنی اچھی ہوتی ہے نا؟''

میں نے اپنی آدھی ڈبل روٹی توڑ کر اُسے دی۔ شکریہ کہہ کر اُس نے لے لی اور کھانے لگا۔ ٹی وی کے سامنے بیٹھے مجھے محسوس ہوا اب ہم دونوں اب یتیم ہیں۔

''میکاگے'' اُس نے کھڑے ہوکر کہا۔

''آج رات کیا تم واپس اپنے گھر چلی جاؤ گی؟''

''ہاں، سوچ رہی ہوں، رات کے کھانے کے بعد جاؤں۔''

''اچھا'' یواپچی نے کہا۔

''مجھے جانے سے پہلے کسی ریسٹورنٹ جیسا پیشہ ورانہ اور مزیدار کھانا پکا کر کھلا دو۔''

اس بات سے میرے ذہن میں ایک زبردست خیال آیا اور میں اس کے لیے سنجیدہ ہوگئی۔

''ٹھیک ہے ہم ایک ایسا کھانا بناؤں گی جو سارے کھانوں کو پیچھے چھوڑ دے گا۔''

میں بے پناہ خوشی سے سرشار ایک بہترین کھانا بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔ کھانے کے سارے اجزاء کاغذ پر لکھ کر یواپچی کو دے دیے۔

''گاڑی لے جاؤ اور جو کچھ اس فہرست میں لکھا ہے، وہ مجھے لا کر دو۔ میں تمہارا

پسندیدہ کھانا بناؤں گی۔اس لیے جلدی واپس آنا تاکہ تم اپنا پسندیدہ کھانا جلدی کھاسکو۔

''نئی دلہن کی طرح مجھ پر حکم چلا رہی ہو۔'' اُس نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

دروازہ بند ہوگیااور میں اکیلی رہ گئی تو مجھے تھکن محسوس ہوئی۔کمرہ بہت خاموش تھا۔کچھ دیر کے لیے میرا ذہن وقت کومحسوس کرنے کی صلاحیت کھوبیٹھا تھا۔مجھے محسوس ہوا، میں دنیا بھر میں تنہا انسان ہوں، کائنات کی حرکت رُک چکی ہے۔میں صوفے پر بیٹھ گئی اور کھڑکی کے باہر اداس سُرمئی موسم کو دیکھنے لگی۔ٹھنڈی ہوا محلے کے ہر کونے میں دھند کی طرح داخل ہو رہی تھی۔مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔مجھے ایسا لگ رہا تھا، جیسے مجھ سے سانس نہیں لیا جائے گا۔

واقعی بڑے لوگوں کی شخصیت سے ایسی روشنی خارج ہوتی ہے جو دوسروں کے دلوں کو گرما دیتی ہے۔جب وہ روشنی بجھ جاتی ہے تو مایوسی کے سائے ہر طرف پھیل جاتے ہیں۔شاید اریکو بہت بڑی شخصیت نہیں تھیں مگر اُن کے طلسماتی سحر کی مجھے بے حد کمی محسوس ہو رہی تھی۔

میں لیٹ گئی اور چھت کو گھورنے لگی۔جب دادی کا انتقال ہوا تو میں اکثر اس چھت کو دیکھا کرتی ،جب یواچی اور اریکو باہر ہوتے تھے۔میں سوچا کرتی تھی دادی مرچکی ہیں۔اس سے بڑا واقعہ کچھ نہیں ہوسکتا لیکن اب ہوگیا۔اریکو میرے لیے بہت اہم تھیں۔چھ مہینے ہم نے ساتھ گزارے۔وہ ہر لمحے میرے لیے موجود ہوتی تھیں۔انہوں نے مجھے بے جا لاڈ پیار سے بگاڑ دیا تھا۔

میں یہ سمجھنے لگی تھی، مایوسی کا نتیجہ ضروری نہیں ہے کہ تباہی ہو۔ہم اس کے باوجود عام زندگی گزار سکتے تھے۔میں مزاجاً سخت ہوچکی تھی۔کیا بالغ ہونے کا یہی مطلب ہے؟ ہم زندگی میں اکثر تلخ اور مایوس کن ابہام کا شکار ہوتے ہیں۔یہ بات مجھے بالکل پسند نہیں آئی مگر اس کی وجہ سے زندگی سہل ہوگئی۔

اس سوچ سے میرا دل بھاری ہو چکا تھا۔میں اداس بادلوں میں ڈھلتے سورج کی زردی کو آسمان پر پھیلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ بہت جلد سرد رات اُتر آئے گی اور میرے کھوکھلے دل میں بھر جائے گی۔ مجھے نیند آ رہی تھی مگر میں نے اپنے آپ سے کہا اگر تم ابھی سو گئیں تو تمہیں بھیانک خواب دکھائی دیں گے۔اس لیے یہ سوچ کر میں جاگتی رہی۔

ایک مدت بعد میں نے پھر سے اپنے آپ کو تانابے کے کچن میں پایا۔ایک لمحہ کے لیے مجھے اریکو کی مسکراہٹ دکھائی دی۔میں نے خود کو ایک دم توانا محسوس کیا۔ایسا لگ رہا تھا کچن کافی دنوں سے استعمال نہیں ہوا۔میں نے اُس کو صاف کرنا شروع کیا۔پہلے بیسن صاف کیا۔چولھے،پلیٹیں اور دیگر برتن تھے،ان سب کو خشک کیا پھر مجھے احساس ہوا میں کچھ پرسکون ہوگئی ہوں۔آخر کار مجھے کچن کی چیزوں سے اتنی محبت کیوں ہے؟ یہ بہت عجیب سی بات ہے۔شاید اس لیے کچن اس احساس کو دریافت کرتا ہے جو میری روح میں بسا ہوا ہے۔اس احساس کی وجہ سے کچن سے میری شدید محبت جنم لیتی ہے۔میں وہاں کھڑی تھی اور مجھے ایسا لگ رہا تھا کسی نئے احساس کی شروعات ہیں۔کچھ واپس آ رہا ہے۔

میں نے ان گرمیوں میں کھانا بنانا سیکھا۔ایسا لگ رہا تھا میرا دماغ تیز چلنے لگا ہے۔میں نے کھانوں کی تراکیب کے لیے تین کتابیں خریدیں اور پڑھیں۔بس میں ،بستر پر صوفے میں۔فارغ اوقات میں اکثر کھانا پکاتی تھی۔وہ تین کتابیں میں ابھی تک ساتھ رکھتی ہوں۔جیسے بچپن میں بچوں کی تصویروں والی کتابیں مجھے اچھی لگتی تھیں،وہ بھی میں اپنے ساتھ رکھا کرتی تھی۔ہر تصویر کا صفحہ نمبر مجھے زبانی یاد ہوتا تھا۔

یواِچی اور اریکو کہتے تھے۔''میکاگے پاگل ہوگئی ہے۔'' اور یہ سچ تھا۔پوری

گرمیاں، میں اپنے جنون میں مگن کھانا بناتی رہتی تھی۔میں نے جز وقتی ملازمت سے کمائے ہوئے سارے پیسے اچھے پکوان بنانے پر خرچ کردیے۔چاہے میں غصہ میں ہوں، مجھے رونا آرہا ہے یا میں خوش ہوں۔میں ہر طرح کے موڈ میں کھانا پکاتی رہتی تھی۔

میرے کھانا پکانے کا فائدہ یہ ہوا،ہم تینوں ساتھ کھانا کھاتے تھے۔وہ بہت عمدہ گرمیوں کا موسم تھا۔۔۔

جب شام کی ہوا کھڑکی سے اندر آرہی تھی تو ہم نے اُبلا ہوا گوشت،چائنز نوڈلز اورکھیرے کا سلاد کھایا۔میں نے اُن دونوں کے لیے کھانا تیار کیا تھا۔اُن کے لیے،جن کو میری ہر حرکت پر اعتراض ہوتا تھااور اُس کے لیے بھی جو خاموشی سے بہت زیادہ کھاتا رہتا تھا۔آملیٹ کی مشکل قسم،خوبصورتی سے کٹی ہوئی سبزیاں اورتلا ہوا جھینگا۔ان سب کو پکانے کے لیے باصلاحیت ہونا ضروری تھا۔مجھے اندازہ نہیں ہو پاتا تھا،یہ کھانے اچھے بنے ہیں یا برے،مثال کے طور پر اگر میں نے اُووَن میں کچھ ڈالا تو مجھے اس کا درجہ حرارت مدِنظر رکھنا ہوگا کیونکہ اگر میں نے پہلے اس کو چلا دیااور چیزیں بعد میں کاٹ کر اس میں رکھیں تو ان چیزوں کے رنگ اور بناوٹ میں فرق آسکتا ہے حالانکہ اس سے میرے پکائے ہوئے کھانوں کے ذائقہ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھالیکن میرے کھانے کتابوں پر بنی کھانے کی تصویروں جیسے نہیں ہو پاتے تھے۔

سیکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا،ہر کھانا پکاؤ اور اس کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کرتے رہو۔میں بہت احتیاط سے ڈونگے کو صاف کرتی تھی۔مرچوں کی شیشی کا ڈھکن بند کرتی تھی اور جب میں ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے تنگ آنے لگتی تو چند لمحے ٹھہر کر سرد آہیں بھرتی۔شروع میں یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ٹھیک طرح سے نہ ہونے پر میں مایوس ہوجایا کرتی مگر میں نے اپنی غلطیوں کو ٹھنڈے دماغ سے صحیح کرنے کی کوشش کی۔یہ ایسا تھا جیسے میں نے دوبارہ اپنی اصلاح کی کوشش کی ہو۔لگتا تو ایسا ہی تھا مگر یہ

سچ نہیں تھا۔

کسی ماہر پکوان کے نائب کی ملازمت مل جانا بہت خوش نصیبی کی بات ہوتی ہے۔وہ پکوان کورسز کی کلاسیں لیتی ہیں۔اس کے علاوہ ٹی وی اور میگزین میں بھی نظر آتی ہیں اور کافی مشہور ہیں۔ایسا کیوں تھا،اتنے سارے لوگوں کے باوجود یہ ملازمت مجھے ہی ملی؟جب میں نے ان عورتوں کو دیکھا جو کلاس لینے آتی تھیں تو مجھے سمجھ آیا۔ان عورتوں کا رویہ مجھ سے بہت مختلف تھا۔

وہ عورتیں بڑی خوشی سے اپنی زندگی گزار رہی تھیں۔ان کے والدین نے انہیں سکھایا تھا کہ کسی بھی کام کو کرتے ہوئے اپنی خوشیوں کے دائرے سے باہر مت نکلنا اور وہ اسی لیے حقیقی خوشیوں کو نہ جان سکیں۔کون سی زندگی بہتر تھی ،اُنہیں کیا معلوم؟ہر کوئی اپنے طور پر جی رہی تھی۔''اُن کی خوشی'' سے میری مراد وہ زندگی ہے جو اس حقیقت سے دور ہے کہ اصل میں ہم اکیلے ہیں اور یہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔اپنے ایپرن پہنے ،مسکراتے ہوئے چہرے لے کر،کھانا سیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل میں پھنسے ہوئے وہ محبت کرتیں اور پھر شادی کر لیتی تھیں۔میرے خیال سے یہ اچھا ہے۔مجھے ایسے زندگی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔جب میں بہت تھک جاتی ہوں تو مجھے لگتا ہے،میں ٹوٹنے والی ہوں۔اُن اکیلی شاموں میں جب میں اپنے دوستوں کو فون کرتی اور کوئی فون نہیں اٹھاتا تو تب مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہونے لگتی۔اپنی پیدائش،پرورش سے اور ہر چیز سے۔مجھے اپنی پوری زندگی پر پچھتاوا ہونے لگتا تھا۔

لیکن ایک موسم گرمیوں کا ایسا بھی تھا جب اُسی کچن میں،مجھے جلنے اور کٹنے سے کوئی خوف نہیں تھا۔مجھے وہ راتیں جو نیند سے محروم تھیں،وہ گزارنی نہیں پڑتی تھیں۔ہر آنے والے دن کو للکارنے کی لذت میں جیتی تھی۔کھانے کی ترکیب یاد کر کے میں گاجر کا کیک بناتی،جس میں میری روح کا ٹکڑا بھی شامل ہوتا۔بازار میں سرخ ٹماٹروں کو غور سے

دیکھتی اور اپنی زندگی سے محبت کرتی۔ ایسی خوشی کو جاننے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔

کچھ بھی ہو جائے۔ میں اس شعور کے ساتھ جینا چاہتی تھی کہ ایک دن میں مرجاؤں گی۔ اس فہم کے بغیر میں زندہ نہیں ہوں۔ یہی وہ بات ہے جو میری زندگی کو حقیقی معنوں میں زندگی بناتی ہے۔

اندھیرے میں اُفقی قدموں پر کھڑے سیدھے پہاڑ کی بلندی کو چڑھنا اور دھیرے دھیرے سے اس بلندی کو پالینے کے بعد ایک ٹھنڈی سانس لینا۔ ایک منفرد احساس ہے۔ مصائب کا ایک طویل سفر طے کر لینے کے بعد ہمیں وہ منزل مل جاتی ہے، جہاں چاند اپنی پُرنور روشنی کے ہمراہ استقبال کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ خوبصورتی جو اپنے آپ کو ہمارے احساس میں اُتر کر خود کو گم کر دیتی ہے۔ ہمیں کسی اَن دیکھے احساسِ برتری سے سرشار کر دیتی ہے۔ میں اس احساس سے آشنا تھی۔

شام ہو چکی تھی۔ میں نے صفائی کی۔ کھانا پکانے کی تیاری کی۔ یوا یچی نے دروازے کی گھنٹی بجائی، وہ ایک بڑا سا تھیلا اٹھائے اندر آیا، میں اس کی طرف گئی۔

''یقین نہیں آتا'' اُس نے تھیلا زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا؟''

''وہ سب کچھ لے آیا ہوں جو تم نے منگوایا تھا مگر سب کچھ ایک ساتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔''

''اچھا'' میں نے کہا۔ میں سمجھ گئی ، وہ مجھے بھی سامان اٹھانے کی پیشکش کر رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ گیراج تک گئی۔ گاڑی میں دو اور بڑے تھیلے تھے۔ ان کو اوپر لے کر آنا ایک مشقت سے بھرپور کام تھا۔

''میں نے کچھ چیزیں اپنے لیے بھی خریدی ہیں۔'' یوا یچی نے کہا۔

''کچھ چیزیں؟'' میں نے اپنے بیگ میں جھانکا۔ شیمپو، ڈائریاں اور اس کے علاوہ

بہت سارا کھانے پکانے کا سامان تھا۔

''تم دو چکر لگا لیتے۔''

''ہاں مگر تمہاری مدد سے ایک ہی چکر میں کام ہوگیا۔وہ دیکھو آسمان پر چاند کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔''یواپچی نے چاند کی طرف اپنی ٹھوڑی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''واقعی''،میں طنز سے کہا''مگر جب میں نے اس کو دیکھا،وہ واقعی بہت حیرت انگیز روشنی سے منور چاند تھا۔

لفٹ سے اوپر جاتے ہوئے یواپچی نے کہا۔''ظاہر ہے ایک تعلق ہے۔''

''کس کے بیچ؟''

''چانداور لذیذ کھانے کے ذائقہ کے درمیان''

لفٹ اوپر جا کر رک گئی۔جب اُس نے یہ کہا تو ایک لمحے کے لیے میرا دل رُک گیا۔ایسا لگا وہ میری روح میں پوشیدہ محسوسات سے واقف ہے۔جب ہم دروازے تک گئے تو میں نے پوچھا۔''تم کس تناظر میں یہ بات کہہ رہے ہو؟''

''ایک عام انسانی سوچ کے تناظر میں۔''اُس نے کہا۔

''ہاں یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔''میں نے کہا جیسے ایک سو لوگ مل کر ایک ساتھ کہہ رہے ہوں''ہاں ہاں یہ سچ ہے۔''

''تمہیں پتا ہے،میں تمہیں ایک آرٹسٹ سمجھتا ہوں،تمہارے لیے کھانا پکانا ایک آرٹ ہے۔تمہیں کچن میں کام کرنے میں سے محبت ہے۔''

یواپچی اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا۔میں نے مسکرا کر کہا''تم ایک بچے کی طرح ہو۔''

کچھ دیر پہلے میرا دل رُک گیا تھا۔اب مجھے لگ رہا تھا اگر میرے ساتھ یواپچی ہے۔مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔یہ سوچ ایک لمحے کے لیے آئی مگر مجھے پریشان چھوڑ

گئی، اُس کی آنکھوں میں چمکتی روشنی کی طرح۔

''اب مجھے کھانا پکانے میں دو گھنٹے لگیں گے۔''یواپچی نے آلو چھیلے اور میں نے کھانا پکایا۔اس کی انگلیاں بہت تیز تھیں۔

میرے لیے ایریکو کی موت پرانا قصہ تھا۔میں اس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی (میں خود کو اس کی یاد سے دور رکھتی تھی)۔اُس صدمے کی وجہ سے اس واقعہ کی حقیقت کوئی ٹکڑوں میں ہضم کر رہی تھی اور 'یواپچی' موسلا دھار بارش میں بھیگا ہوا درخت تھا۔

ہم دونوں ساتھ تھے مگر ایریکو کی موت کے بارے میں بات نہیں کر رہے تھے۔فراموشی کا یہ احساس گزرتے وقت کے ساتھ بڑھتا رہا۔فی الحال ''صرف ہم دونوں'' ایک گرم جوشی کے ماحول میں محفوظ جگہ پر تھے جہاں مستقبل کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔اس کے باوجود ایک خوفناک احساس کا خیال آتا رہا کہ گھر کے اخراجات اور بلز کیسے ادا ہوں گے۔اس خیال نے یتیمی کے احساس کو مزید بڑھا دیا۔

رات پوری طرح اپنے جوبن پر تھی اور ہم رات کا پُر تکلف کھانا کھا رہے تھے۔سلاد، پائے، بین تھریڈ نوڈلز، ٹوفو، چکن، چائنیز۔ایک بین الاقوامی دستر خوان سجا ہوا تھا جس پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ہم نے سب کچھ اُس وقت تک کھایا، جب تک ہماری ہمت جواب نہ دے گئی۔یواپچی نے بہت پی لی تھی۔مجھے عجیب سا لگا کیونکہ اُس نے کچھ بہت زیادہ نہیں کھایا تھا۔میں نے زمین پر شراب کی گری ہوئی بوتل دیکھی، جب میں کھانا پکا رہی تھی، وہ تب سے پی رہا تھا۔میں نے پوچھا۔

''یواپچی، کیا تم نے کھانے سے پہلے پوری بوتل پی لی تھی؟''

یواپچی نے کہا۔''ہاں''

''تم نے بوتل کو بہت مہارت سے چھپایا تھا۔''میں نے کہا۔یواپچی کا چہرہ اُداس ہو گیا۔

''کیا ہوا؟''میں نے پوچھا۔

یواپچی نے کہا۔''پچھلے مہینے سے سب یہی کہہ رہے ہیں اور یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔''

''سب؟تمہارا مطلب یونیورسٹی میں؟''

''ہاں''

''تم پچھلے ایک مہینے سے پی رہے ہو؟''

''ہاں''

''جب ہی تم مجھے فون نہیں کررہے تھے۔''میں نے کہا۔

''ٹیلی فون چمک رہا تھا۔''اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔''میں پی کے گھر آرہا ہوتا تو مجھے فون بوتھ چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔میں اس کے پاس جاتا اور کہتا،مجھے میکاگے کو فون کرنا ہے لیکن پھر نمبر ملانے سے پہلے میں اپنی اس حالت کو دیکھتا تو رک جاتا پھر گھر جاتا اور بستر پر گر جاتا تھا۔ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے،جس میں تم مجھ سے ناراض ہوتی تھیں۔''

''یہ سب تمہاری ذہنی اختراع ہے ورنہ کبھی کبھار تصور،حقیقت سے زیادہ تلخ ہوتا ہے۔''

''تم صحیح کہتی ہو۔اب میں بہتر محسوس کررہا ہوں۔''اُس نے خمار آلود آواز میں کہا۔شاید اُسے خود بھی نہیں پتا تھا،وہ کیا کہہ رہا ہے۔''تم اس فلیٹ میں آئیں جبکہ میری والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔میرا یہ خیال تھا تم مجھ سے دوبارہ نہیں ملنا چاہو گی۔میں بھی اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا مگر اس فلیٹ میں ہم تینوں نے جو وقت ساتھ گزارا۔وہ یادیں میرے لیے ناقابلِ برداشت تھیں۔مجھے لگتا تھا،میں تم سے دوبارہ کبھی نہیں ملوں گا۔''یواپچی نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا۔''مجھے ہمیشہ اچھا لگتا جب کوئی اس صوفے پر سوتا تھا۔ہم تینوں ایک ساتھ اس گھر میں تھے مگر ایسا لگتا تھا جیسے حالتِ سفر میں ہوں۔اریکو کی وفات اور تمہارے جانے کے بعد میں بہت اکیلا ہو گیا تھا۔میں ٹھیک طرح سے کھا پی بھی نہیں رہا تھا،مگر کھانے میں سے بھی ٹیلی فون کی طرح روشنی نکل رہی تھی۔مجھے

ڈر تھا کہ میں کچھ کھا لوں گا تو یہ روشنی ختم نہ ہو جائے، اس لیے صرف پیتا تھا۔ میں نے سوچا، میکا گے کو سب کچھ بتا دوں، وہ شاید میری بات سن لے مگر میں ایسی کسی بھی امید سے بہت خوف زدہ تھا۔ میں اگر خود کو ایسی کسی امید کے حوالے کر دیتا اور پھر تم مجھ سے ناراض ہو جاتیں تو یہ میرے لیے بہت دردناک ہوتا۔ میں مزید مایوسی میں ڈوب جاتا۔ میرے پاس سب کچھ بتانے کا حوصلہ نہیں تھا، کیسے بتاتا؟''

''یہ کیفیت تمہاری شخصیت کی طرح ہی تو ہے۔'' میں نے غصہ میں کہا مگر میری آنکھوں میں نرمی تھی۔ جو وقت ہم نے ساتھ گزارا تھا، اس میں ہم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی سوچ پڑھ لیتے تھے۔ میں اُسے اپنے احساسات بیان کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

''کاش آج کا یہ لمحہ کبھی ختم نہ ہو۔'' اُس نے کہا۔ ''کاش آج کی یہ رات ہمیشہ کے لیے تھم جائے۔ میکا گے میری تم سے التجا ہے تم واپس یہاں رہنے آ جاؤ۔''

''یہ ممکن تو ہے۔'' میں نے نرم لہجہ میں کہا۔ مجھے پتا تھا وہ یہ سب کچھ نشے میں بول رہا ہے۔ ''مگر اریکو اب یہاں نہیں ہے۔ میں اب اگر تمہارے ساتھ رہوں گی تو کس حیثیت سے، محبوبہ یا دوست؟''

''تمہارا مطلب یہ ہے، ہمیں صوفہ بیچ کر ڈبل بیڈ لے لینا چاہیے۔'' یواچی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس خیال کے متعلق میں خود بھی کچھ نہیں جانتا۔''

اُس کے خلوص نے میرے دل کو چھو لیا پھر اس نے کہا۔ ''ابھی مجھ سے سوچا نہیں جا رہا۔ تم میری زندگی میں کیا معنی رکھتی ہو، میں کس طرح بدل رہا ہوں، میری زندگی اب پہلے سے کس طرح مختلف ہو گی، ان باتوں کے بارے میں اب میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس کیفیت میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں بھی مزید الجھا دیا ہے۔ ہم دونوں موت کے درمیان ہیں مگر میں چاہ رہا تھا تم اس سے بچ جاؤ۔ ہو سکتا ہے یہ حالات ایسے ہی

رہیں جب تک ہم ساتھ ہیں۔''

''یواپچی، ایسے مت سوچو۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔''میں نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آج کا یہ لمحہ کل بھول جاؤں گا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ آنے والے کسی دن کا پچھلے دن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' یہ کہہ کر وہ پیٹ کے بل لیٹ گیا اور کہا۔''میں بُری طرح۔۔۔(اُس کے پیٹ میں درد ہو رہا تھا)''

اپارٹمنٹ میں رات کی تاریکی جیسی خاموشی طاری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، رات یواپچی کی آواز سننے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ احساس رات گزرنے کے ساتھ ساتھ بھاری ہوتا گیا۔ مجھے ایسا لگنے لگا، اپنے دل کی بات کسی سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ یواپچی اور میں گھپ اندھیرے میں سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ہم دونوں جہنم کی بھٹی میں جھانک رہے تھے۔ آگ کے لال کھولتے ہوئے سمندر کو دیکھ رہے تھے۔ ہمارے چہروں سے ٹکراتی ہوئی ہوا نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ ہم دونوں پوری دنیا میں ایک دوسرے کے قریب تھے۔ ہم دونوں پکے دوست تھے مگر ہم ایک دوسرے کا ہاتھ نہیں تھام رہے تھے۔ ہم چاہے کتنے ہی مجبور کیوں نہ ہوں، ہم نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی ضد باندھ لی تھی لیکن میں سوچتی تھی کہ ہم دونوں بہن بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے پیش آتے تھے مگر کیا ہم بنیادی طور پر دونوں مرد اور عورت نہیں تھے؟ کیا ہم دونوں ایک دوسرے کے بارے میں ایسا نہیں سوچتے تھے؟ مگر ہم قربت کے جس موڑ پر تھے، وہاں بہر حال دو فرد ایک زندگی نہیں بسا سکتے۔

میں اس وقت سوچ میں گم تھی مگر ایک دم ہنسی آ گئی۔''میں دو عاشقوں کو دیکھ رہی ہوں، وہ دونوں جہنم کی آگ میں جھانک رہے ہیں۔ کیا وہ دونوں خودکشی کا سوچ رہے ہیں؟ کیا ان کی محبت جہنم میں جا کر ختم ہوگی؟'' میری ہنسی نہ رک سکی۔ یواپچی صوفے پر

گہری نیند سو رہا تھا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔میں نے اس کو چادر اوڑھا دی۔

میں نے گندے برتن خاموشی سے دھونا شروع کر دیئے اور رونے لگی۔میں برتن دھونے کی وجہ سے نہیں رو رہی تھی بلکہ اس رات نے مجھے پیچھے چھوڑ دیا گیا اس لیے رو رہی تھی۔میں تنہائی سے معذور ہوگئی تھی۔

اگلی صبح میں زوردار الارم کی گھنٹی سے اٹھی۔مجھے دوپہر کو کام پر جانا تھا۔جب میں نے الارم بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو پتا چلا، یہ ٹیلی فون کی گھنٹی تھی۔میں نے ریسور اٹھا کر کہا۔''ہیلو'' پھر مجھے یاد آیا یہ کسی اور کا گھر ہے تو میں نے کہا۔''تانابے کی رہائش''

دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔میں سمجھ گئی کوئی لڑکی تھی۔میں نے یوایچی کی طرف دیکھا، وہ ابھی تک سو رہا تھا۔میں تیار ہوئی اور اپارٹمنٹ سے نکل پر کام پر چلی گئی اور تمام دن یہی سوچتی رہی، آج رات میں وہاں رہوں کہ نہیں؟

میں اپنے آفس پہنچی تو میری سینسے (استاد) آچکی تھیں اور سائل کی ورق گردانی کر رہی تھیں۔وہ جوان تھیں اور فیشن کے متعلق ان کی معلومات قابلِ دید تھیں۔جب انہوں نے مجھے دیکھا تو آج کے کام مجھے بتانے لگیں۔

آج کام زیادہ تھا لہٰذا انہوں نے مجھے دیر تک روکے رکھا اور کہا، میں کام ختم کرنے کے بعد گھر جا سکتی ہوں۔خوش قسمتی سے اس دن ایک اور نائب بھی موجود تھی، اس لیے میں جلدی فارغ ہو سکتی تھی، پھر انہوں نے مجھے ایک پیشکش کی، جس سے میرا مسئلہ مزید بڑھ سکتا تھا۔

میکاگے! انہوں نے کہا۔پرسوں ہمیں ''اِئی زُو جزیرے'' پر جانا ہے۔کیا تم چلو گی؟

''اِئی زُو؟'' میں نے کہا۔''کیا ہم اپنے رسالے کے سلسلے میں جا رہے ہیں؟''

''دوسری لڑکیاں مصروف ہیں تو میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں۔ہم وہاں کے مختلف ہوٹلوں پہ جا کر ان کے خصوصی کھانوں کی تراکیب پر تحقیق کریں گے۔تم کیا کہتی ہو؟ ہم

بہت اچھے ہوٹلوں میں رہیں گے۔تمہارا اپنا کمرہ ہوگا۔مجھے آج رات تک جواب چاہیے۔''

اُن کی بات ختم کرنے سے پہلے میں نے کہا۔''میں چلوں گی۔''

''شکریہ'،سِینسے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جب میں کلاس کی طرف گئی۔ مجھے محسوس ہوا،کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہے۔اس وقت مجھے ٹوکیو اور یوایچی سے دور ہونا بہتر لگ رہا تھا۔

جب میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو میری دو نائب معاونین کام میں مصروف تھیں۔ایک کا نام 'نوری' اور دوسری کا ''کوری' تھا۔

میکاگے۔کوری نے کہا۔''تم نے اِئی زُو کے بارے میں سنا؟''نوری مسکرائی۔''کتنا مزا آئے گا۔ہرطرح کے کھانے ہوں گے۔''

''ہاں مگر مجھے ہی جانے کا موقع کیوں دیا گیا؟''

''میں معذرت چاہتی ہوں۔ہم دونوں گولف کی کلاسز میں مصروف تھیں لیکن اگر تم نہیں جاسکتی تو ہم میں سے کوئی ایک اپنی کلاس چھوڑ دے گا۔''اُن دونوں کا خلوص دیکھ کر میں مسکرائی اور کہا۔

''نہیں نہیں، میں چلی جاؤں گی۔''

کوری اپنی خوش مزاجی کی وجہ سے بہت بھولی اور معصوم لگتی تھی جبکہ 'نوری' حسین اور نوجوان تھی۔وہ دونوں پکی سہیلیاں تھیں۔ان دونوں کے لباس بہترین انتخاب کے حامل ہوتے تھے۔وہ ٹھنڈے مزاج کی محنتی اور فراخ دل لڑکیاں تھیں۔کبھی کبھار نوری کی والدہ کا فون آتا تھا۔وہ اتنی اچھی اور نیک تھیں کہ مجھے شرم آجاتی تھی۔اُن کو نوری کے سارے دن کے کام یاد ہوتے تھے۔نوری اُن سے فون پر ہمیشہ بات کرتے ہوئے مسکراتی تھی۔

نوری اور کوری مجھ سے بہت مختلف مگر مجھے بہت پسند تھیں۔مجھے اگر زکام بھی ہوجاتا تو وہ بہت فکر مند ہوجاتیں۔ان کو ہنستا دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی۔ان کے ساتھ

کام کرنے سے ایک ایسا مزا ملتا جو دنیا میں جینے کے احساس کو تسکین دیتا۔ہم کام کرتے ہوئے باتیں بھی کرتے رہتے۔

دو بج چکے تھے۔کسی نے دروازے کو زور سے کھٹکھٹایا۔شاید سِینسے ہوں گی۔نوری نے کہا۔''اندر آجایئے''نوری نے گڑبڑا کر کہا۔

''میں اپنی نیل پالش مٹانا بھول گئی ہوں۔''میں جھک کے بیگ میں سے نیل پالش ریموور ڈھونڈنے لگی۔

دروازہ کھلا اور ایک لڑکی کی آواز آئی۔''یہاں میکاگے ہیں؟''

میں حیرانی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔اُس کی شکل بچکانہ اور چھوٹے قد کی تھی۔آنکھیں گول اور خود بھی گول مٹول سی تھی۔ہونٹ غصے سے ملے ہوئے تھے۔

میں پریشان ہوگئی۔مجھے پتا نہیں تھا،وہ یہاں کیوں آئی تھی۔میں نے پوچھا۔''آپ کون ہیں؟''

''میرا نام اُوکونو ہے۔مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''معاف کیجیے گا۔ابھی میں کچھ مصروف ہوں۔''آپ رات کو میرے گھر پہ فون کر لیجیے گا۔''

''تمہارا مطلب ہے یواچی کے گھر پہ؟''اُس نے غصے سے کہا۔میں سمجھ گئی۔یہ وہی لڑکی تھی جس نے آج صبح فون کیا تھا۔میں نے جواب دیا''نہیں میرے گھر پہ''

نوری نے کہا۔''میکاگے کوئی مسئلہ نہیں ہے،تم چلی جاؤ،ہم سِینسے ائی کو بتا دیں گے کہ تمہیں سفر کے لیے خریداری کرنا تھی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے،ہمیں زیادہ وقت نہیں چاہیے۔''اُس لڑکی نے کہا۔

کیا آپ یواچی کی دوست ہیں؟''میں نے پوچھا۔

''ہاں! میں اور وہ ایک ہی جماعت کے طالب علم ہیں۔ میں تمہیں صرف ایک بات کہنے آئی ہوں۔ تم یواپچی کی زندگی سے دور رہو۔''

''یہ تو یواپچی پر منحصر ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر آپ اس کی محبوبہ ہیں تو جب بھی آپ اُس کی زندگی کے فیصلے نہیں کرسکتیں۔''

وہ غصے سے آگ بگولہ ہوگئی۔ ''تمہارے خیال سے تم ٹھیک کررہی ہو؟ تم کیسی لڑکی ہو؟ تم اس کی محبوبہ نہیں ہو مگر اپنی مرضی سے اُس کے گھر جاتی ہو، رات گزارتی ہو۔ یہ تو ساتھ رہنے سے بھی زیادہ برا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ''میں اس کے ساتھ کبھی نہیں رہی۔ میں صرف اُس کی ہم جماعت ہوں۔ تم اُسے مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو مگر میں اُس سے محبت کرتی ہوں۔ جب اُس کی والدہ کا انتقال ہوا تو میں نے اُس کو تسلی دی۔ کچھ عرصہ پہلے جب میں نے اُسے کہا۔ یہ سب کچھ مجھے اچھا نہیں لگتا تو اُس نے کہا تو میکاگے کا کیا ہوگا؟۔

''تو کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''اُس کی بات نہ کرو'' اُس نے کہا۔ ''کیونکہ پوری یونیورسٹی کو پتا تھا، اُس کے گھر ایک لڑکی رہ رہی ہے۔ میں نے اس پر بات نہیں کی۔''

میں نے کہا۔ ''میں اب وہاں نہیں رہتی۔۔۔۔۔۔''

مگر اس نے میری بات کاٹی۔ ''تم تعلقات کی ذمہ داری قبول نہیں کرتی، تم صرف مزے کرتی ہو اور اس کو خود سے باندھ رکھتی ہو۔ اپنے ہاتھ، ٹانگیں اور بال اس کے سامنے لہراتی ہو۔ اُسے اپنے عورت ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہو۔ تمہاری وجہ سے یواپچی آدھا مرد ہے۔ تمہارے نزدیک یہ بات ٹھیک ہوگی، معاملات کو بنا طے کیے ادھورا چھوڑ دیا جائے مگر محبت ایک مذاق نہیں ہے۔ اس کا مطلب کسی دوسرے کا دکھ درد بانٹنا بھی ہے۔ تم اس بوجھ کو اپنے سرد چہرے سے نظر انداز کردیتی ہو اور کہتی ہو تمہیں سب

باتوں کی سمجھ ہے۔۔۔میں تم سے درخواست کرتی ہوں، برائے مہربانی یواپچی سے اب دوبارہ مت ملنا۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں کیونکہ جب تک تم اس کے پاس ہووہ اُلجھا رہے گا۔

اس بارے میں اُس کی دور اندیشی ذاتی جذبات پر مبنی تھی مگر اُس کے کاٹ دار لفظوں نے مجھے وہاں زک پہنچائی، جہاں مجھے سب سے زیادہ درد ہوسکتا تھا۔ وہ دوبارہ بولنا شروع ہوئی تو میں نے اس کو چیخ کر خاموش کرادیا۔''بس ! بہت ہوگیا۔''وہ چونک کر خاموش ہوگئی۔ میں نے کہا۔''میں جانتی ہوں،تم کیا کہنا چاہتی ہومگر ہم سب کو اپنے احساسات کا ازخود سامنا ہوتا ہے مگر اس صورت حال میں ،میری سوچ اور میں کہاں ہوں؟تم یہ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو،میں معاملات کو اس طرح نہیں سوچتی۔تم تو مجھے جانتی بھی نہیں ہو۔

''تم اتنی بے دردی سے کیسے بول سکتی ہو۔''اُس نے روتے ہوئے جواب دیا۔

''تم کہتی ہو،تمہیں 'یواپچی' سے محبت ہے۔''میں نے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے جب پتا چلا اُس کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے تو اس لیے وہاں رہ رہی تھیں۔''

میرا دل اداسی سے بھر گیا۔ میں اُسے نہیں بتا سکتی تھی کہ ایریکو نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی اور اس وقت میری کیا کیفیت تھی۔''یواپچی'' کے ساتھ میرا کس قسم کا نازک رشتہ تھا۔ وہ صرف مجھ پر الزام تراشی کرنے آئی تھی۔ میں اس کی رقیب نہیں تھی مگر وہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی،صرف اس مایوس کن مقصد کے لیے ،جس سے اُس کو کوئی سکون بھی ملنے والا نہیں تھا۔ میں نے جب اُس کے بے سبب غصے کو سمجھا تو مجھے اس پر ترس آ گیا۔

''میں بے درد نہیں ہوں۔''میں نے کہا۔ مجھے پتا ہے،کسی کو کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے مگر اس بارے میں بات کرنے کے لیے یہ کوئی جگہ نہیں ہے،اگر تمہیں کچھ اور کہنا

ہے۔۔۔۔‘‘میں کہنے والی تھی کہ مجھے گھر پر فون کر لینا مگر میرے منہ سے نکلا’’ کیا تم چاہتی ہو، میں پاگلوں کی طرح دھاڑیں مار کر روؤں اور چھری لے کر تمہارے پیچھے بھاگوں۔ مجھے لگا یہ میری طرف سے سخت تکلیف دہ الفاظ ہیں جو میں نے استعمال کیے۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور غصے سے کہا۔’’میں جو کہنے آئی تھی ، میں نے کہہ دیا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرتے ہوئے چلی گئی۔

یہ مکالمہ ایک کڑواہٹ کا احساس چھوڑتے ہوئے ختم ہوگیا۔اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوسکا۔’’میکاگے تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔‘‘ کوری نے کہا۔’’ہاں‘‘نوری نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔’’وہ حسد کے مارے پاگل ہوچکی ہے۔‘‘

دوپہر کو دھوپ کی روشنی میں، میں نے خود کو کچن کے اندر بہت تھکا ہوا محسوس کیا۔

اُس شام میں تانابے کے اپارٹمنٹ میں اپنا برش اور تولیہ لینے گئی۔ یواچی گھر پر نہیں تھا۔ میں نے اپنے لیے سالن پکایا اور کھانا کھایا۔اس گھر میں پکانا اور کھانا بے حد فطری لگتا تھا۔ میں اُس لڑکی کے ساتھ بحث کے بارے میں سوچ رہی تھی ،اتنی دیر میں یواچی گھر آ گیا۔’’ہائے‘‘ اُس نے کہا۔

اُس کو پتا نہیں تھا کیا ہوا اور میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا مگر پھر بھی میں اُس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔’’یواچی ، مجھے پتا چلا ہے کہ مجھے’ایزو‘کسی کام کے سلسلے میں جانا پڑے گا،اس لیے میں اپنا گھر سمیٹنے جا رہی ہوں۔ آج رات وہیں رہوں گی۔ کچھ سالن بچ گیا ہے تم کھا لینا۔‘‘

’’اچھا، میں تمہیں گاڑی میں چھوڑ دیتا ہوں۔‘‘ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ہم گاڑی میں چل پڑے۔ شہر تیزی سے گزرتا گیا۔ پانچ منٹ میں ہم گھر پہنچنے والے تھے۔

’’یواچی‘‘

’’کہو‘‘

''چلو کہیں چل کے چائے پیتے ہیں۔''

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن تمہیں ہی سامان سمیٹنے کی جلدی تھی۔''

''مجھے چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے۔''

''چلو چلتے ہیں۔کہاں کی چائے پی جائے؟''

''بیوٹی پارلر کے قریب 'بارلے ٹی شاپ' ہے۔''

''مگر وہ تو بہت دور ہے یہاں سے؟''

''مجھے لگتا ہے کہ وہ بہترین جگہ ہے چائے پینے کے لیے۔''

''ٹھیک ہے کیوں نہیں۔'' اُسے میری یہ پیشکش سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر وہ اس کے بارے میں پھر بھی بہت اچھا رویہ اپنائے ہوئے تھا کیونکہ وہ یہ دیکھ رہا تھا۔میں اچھے موڈ میں نہیں تھی، ابھی اگر میں یہ بھی کہتی، مجھے عرب جا کر وہاں کا چاند دیکھنا ہے تو وہ کہتا ''چلو چلتے ہیں۔''

دوسری منزل پر وہ چائے کی دکان، خاموشی کا ماحول، چاروں طرف سفید دیواریں اور اندر گرما دینے والی فضا تھی۔ہم بھی اسی ماحول میں ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ہمارے علاوہ وہاں اور کوئی گاہک موجود نہیں تھا۔پس منظر میں موسیقی بج رہی تھی۔

''یوا پچی، عجیب سی بات ہے کہ ہم پہلی مرتبہ باہر کسی جگہ آئے ہیں۔''

''واقعی'' اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ 'ایرل گرے' کی چائے پی رہا تھا۔اس کی خوشبو سے مجھے تانابے کے گھر میں گزاری ہوئی راتیں یاد آ جاتی تھیں۔جب میں ہلکی آواز میں ٹیلی ویژن دیکھتی اور آدھی رات کو یوا پچی کمرے سے باہر آ کر چائے بناتا۔

گزرتے وقت کے ساتھ جذبات کے مدوجزر میں ایک انسان کی زندگی تاریخ کی حسیات میں نقش ہو جاتی ہے اور غیر ضروری خیالات ایک دم سے کسی چائے کی دکان میں

کسی سرد رات میں دوبارہ سے اُبھر آتے ہیں۔

''ہم دونوں نے ایک ساتھ اتنی زیادہ چائے پی ہے۔''یوا ایچی نے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا،ہم نے باہر کبھی چائے نہیں پی لیکن یہی سچ ہے۔''

''عجیب سی بات ہے نا؟''میں مسکرائی۔

''میرے لیے اب کسی چیز کا ذائقہ باعث لذت نہیں رہا۔میں بہت تھکا ہوا ہوں۔''یوا ایچی نے کہا۔

''یہ تو فطری بات ہے۔''میں نے حیرانی سے کہا۔

''جب تمہاری دادی فوت ہوئیں تو تمہاری حالت بھی ایسی ہی تھی۔مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ہم دونوں ٹی وی دیکھ رہے ہوتے تھے اور تم کہتی تھیں'یہ کیا کہہ رہے ہیں'اور میں تمہیں دیکھتا تھا،تمہارے چہرے پر ایسا تاثر ہوتا جیسے تمہارا دماغ خالی ہو چکا ہو،اب مجھے سمجھ میں آیا کیوں۔''

یوا ایچی میں نے کہا۔''تم میرے ساتھ رہ کر خود کو آرام دہ محسوس کرتے ہو،اپنے جذبات بھی بتاتے ہو۔اس سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔اتنی خوشی کہ میرا دل چاہتا ہے۔میں چھت پر جا کر چیخوں۔

''یہ کیسی بات ہے؟اس طرح کی باتیں تو انگریز کرتے ہیں۔''یوا ایچی مسکرایا۔میز پر رکھے لیمپ کی روشنی اُس کے چہرے پر چمک رہی تھی۔

''ہے نا؟اگر۔۔۔۔۔۔''میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔میں نے دل میں دعا کی۔اس لمحے کی یاد کو دہرایا،جب ہم اس روشن جگہ پر بیٹھے ایک دوسرے کے روبرو چائے پی رہے ہیں۔میرے دل سے دعا نکلی۔اس لمحے کو بچانے میں میری مدد ہو۔''

جب لفظ بہت واضح ہوں تو دھیمی روشنی تاریکی کے سائے سے دب جاتی ہے۔باہر رات ہو چکی تھی۔رات گزرنے کے ساتھ ساتھ ہوا اور ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی۔

جب بھی ہم گاڑی میں بیٹھتے ،وہ پہلے میرے لیے دروازہ کھولتا اور پھر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتا۔''

میں نے کہا۔'' آج کل بہت کم مرد ایسے ہیں جو عورتوں کے لیے دروازہ کھولتے ہوں۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔''

ایریکو نے مجھے اسی طرح بڑا کیا تھا۔'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔''اگر میں اُن کے لیے دروازہ نہیں کھولتا تو وہ گاڑی میں ہی نہیں بیٹھتی تھیں۔''

''حالانکہ وہ مرد تھیں۔''میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس کے بعد خاموشی ہوگئی۔شہر میں رات گہری ہوتی چلی گئی۔ہم لوگوں کو آتے جاتے دیکھ رہے تھے۔ بزنس مین، آفس کی لڑکیاں، جوان ، بوڑھے، گاڑیوں کی روشنیوں میں نہائے ہوئے، خاموش سردی میں لپٹے ہوئے، سویٹر اور گرم کپڑے پہنے ہوئے تمام لوگ اپنے گھروں کو جارہے تھے۔ یہ گھر واپس لوٹنے کا وقت تھا۔

پھر ایک دم سے مجھے خیال آیا۔ یواِچی اُس لڑکی کے لیے بھی دروازہ کھولتا ہوگا۔ ایکدم سے مجھے اپنی سیٹ بیلٹ بہت سخت محسوس ہونے لگی۔ مجھے اس بات کا احساس ہوا، میں اس سے حسد کر رہی ہوں۔ ایریکو اب اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔ہم دونوں اکیلے اس روشنی کے دریا میں بہہ رہے تھے۔کائنات کے اندھیرے میں بہت اہم اور فیصلہ کن مقام کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میں سمجھ گئی۔ آسمان کے رنگ سے، چاند کی بناوٹ اور رات کی سیاہی سے میں سمجھ گئی۔عمارتوں اور سڑکوں کی روشنیاں مجھے اذیت ناک لگ رہی تھیں۔سب کچھ بہت تکلیف دہ اور سنگدل تھا۔

اس نے میرے گھر کے سامنے گاڑی روکی اور کہا۔''وہاں سے واپسی پر میرے لیے کچھ ضرور لانا۔''مجھ سے مل کر جانے کے بعد بعد وہ اکیلا اپنے اپارٹمنٹ کی طرف

جائے گا، پودوں کو پانی دے گا۔

''ایل پائے لاؤں گی۔''میں ہنسی۔

''ایل پائے، وہ تو کسی بھی کھانے کی دکان سے مل جائیں گی۔''

''اچھا، چائے لے آؤں گی۔''

''ایسا کرنا 'ٹیک لیڈ واساوی روٹ' لے آنا۔

''اچھا، مجھے وہ پسند نہیں ہیں، تمھیں وہ پسند ہیں؟''

''صرف 'روئے''والے''

''ٹھیک ہے، لے آؤں گی۔''میں نے دروازہ کھولا تو یکدم سے بہت ٹھنڈی ہوا اندر آئی۔

''بہت سردی ہے۔''میں نے کپکپاتے ہوئے اپنا چہرہ اُس کے بازوؤں میں چھپا لیا۔اُس کے گرم سویٹر سے خزاں کے پتوں کی مہک آرہی تھی۔

''چلو اِئی زُو میں تھوڑی گرمی ہوگی۔''یواپچی نے کہا۔میں نے اپنا چہرہ اس کے پہلو میں چھپائے رکھا۔

''تم کب تک وہاں رہوگی؟''اُس نے پوچھا۔

''چار دن اور تین راتیں۔''میں نے خود کو اس سے دور ہٹایا۔

''تم واپس آؤ گی تو بہتر محسوس کروگی اور ہم دونوں پھر سے چائے پینے جائیں گے۔''اُس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

میں گاڑی سے اتری اور ہاتھ ہلایا۔جب میں نے اس کو جاتے ہوئے دیکھا تو سوچا۔آج جو کچھ بھی ہوا، وہ سب برا نہیں تھا۔

وہ جیت رہی تھی یا میں؟ کس کو پتا تھا۔اس کی پیائش ممکن نہ تھی۔اس سرد رات میں ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔

اریکو کی اِک یاد۔سب سے اداس۔۔۔۔۔۔
انہوں نے مجھے اپنی بالکونی میں اپنے تمام پودوں میں سے سب سے پہلے پائن اپیل کے بارے میں بتایا تھا۔

''سردیاں اپنے عروج پر تھیں۔اُس وقت میں مرد ہوا کرتی تھی میکا گے، بہت وجیہہ اور جمیل مرد! اب تو مجھے یاد بھی نہیں، اُس وقت میں کیسی دکھائی دیتی تھی۔''

ایک گرمیوں کی صبح تھی۔ یواچی رات کو باہر تھا اور اریکو گھر میں بیکری سے بند لائیں۔میں اپنی عادت کے مطابق ٹی وی سے کھانے پکانے کا پروگرام دیکھتے ہوئے ترکیب کے نکتے لکھ رہی تھی تا کہ بعد میں ان کی مدد سے میں کھانا بنا سکوں۔سورج آسمان پر طلوع ہو رہا تھا۔

''کیا ہم یہ بند کھائیں؟'' انہوں نے پوچھا اور چائے بنانے لگی پھر اچانک سے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔میں خاموشی سے سنتی رہی۔ان کی آواز ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہوں۔

''بہت پہلے کی بات ہے یواچی کی ماں مرنے کے قریب تھی۔میں ایک مرد تھی اور وہ میری بیوی۔ اُسے کینسر تھا۔میں اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ ہر روز میں اس سے ملنے اسپتال جاتی تھی۔یواچی کو پڑوسیوں کے گھر چھوڑتی تھی ۔ملازمت کے بعد جو وقت بھی ملتا، میں اپنی بیوی کے ساتھ گزارتی۔اتوار کو یواچی بھی میرے ساتھ اسپتال جایا کرتا مگر اس وقت وہ بہت چھوٹا تھا۔میرے پاس اُمید تھی شاید وہ صحت یاب ہو جائے لیکن ہر آنے والے دن میں تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔'' اریکو کی آنکھیں جھک گئیں جیسے وہ کوئی میٹھی کہانی سنا رہی ہوں۔نیلی روشنی میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

''میری بیوی نے ایک دن مجھ سے کہا۔میرا دل چاہتا ہے۔اس کمرے میں کوئی زندہ چیز ہو۔میں نے سوچا۔ایک پودا ہونا چاہیے۔اُس نے مجھے ایک پودہ خریدنے کو

کہا۔ میں بھاگتی ہوئی پودوں کی دکان پر گئی اور ایک پودہ خرید لائی۔ ایک عام مرد کی طرح مجھے پوذوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ اس لیے پائن ایپل خرید لیا۔ جب میں اُس کے کمرے میں وہ پودا لائی تو وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔''

''وہ اپنے آخری وقت کے قریب تھی۔ کومہ میں جانے سے تین دن پہلے اُس نے مجھ سے کہا۔ یہ پائن ایپل کا پودا گھر لے جاؤ۔ ہم نے اس کو بتایا نہیں تھا اُسے کینسر ہے مگر شاید اُسے پتا تھا۔ وہ اپنی آخری خواہش بتا رہی تھی۔ میں نے حیرانی سے پوچھا۔ پودا مر رہا ہے مگر تم کیوں نہیں رکھنا چاہتی مگر اس نے روتے ہوئے کہا۔ اس پودے کو لے جاؤ، اس سے پہلے کہ موت اس کو لے جائے۔ میری آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔ میں ٹیکسی نہ لے سکی۔ بہت سردی تھی۔ شاید اس وقت مجھے پہلی بار احساس ہوا، مجھے مرد ہونا اچھا نہیں لگتا۔ میں نے گھر کے لیے ٹرین پکڑی۔ گھر میں کوئی نہیں تھا اور وہ گھر بھی نہیں لگتا تھا۔ میں سردی سے کانپتا رہی اور اس پائن ایپل کے پودے کو سینے سے لگائے بیٹھا رہی۔ دنیا میں اُس وقت صرف اور صرف میں اور پائن ایپل ایک دوسرے کے جذبات سمجھ سکتے تھے۔ یہ سوچ اس وقت میرے دل میں آئی۔ ہوا سے بچنے کے لیے میں نے آنکھیں بند کرلیں تو مجھے ایسا لگا اس تنہائی کو صرف میں اور یہ پودا ہی بانٹ سکتے ہیں۔ میری بیوی مجھے سب سے بہتر سمجھتی تھی، وہ موت کے حوالے ہوگئی تھی۔ کچھ عرصے میں اس کا انتقال ہوگیا۔ پائن ایپل کا پودا بھی اس کے بنا مرجھا گیا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ پودوں کی دیکھ بھال کیسے کی جاتی ہے۔ میں لفظوں میں اس کو نہیں سمجھا سکتا تھا مگر اس کے بعد پھر مجھے خود ہی سمجھ آ گئی۔ اب میں اگر کسی کو سمجھانا چاہوں تو یہ میرے لیے بہت آسان ہے۔ میں نے یہ سمجھا، دنیا میرے لیے وجود میں آئی اور میرے اردگرد اچھی اور بری چیزوں کی تعداد تبدیل نہیں ہوگی، یہ میرے اختیار میں نہیں تھا۔ سب سے بہتر بات یہ تھی کہ اپنے اندر ہی خوشی کو اپنا لو۔ اس لیے میں عورت بن گیا۔''

میں سمجھ گئی۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں اور میں سوچ رہی تھی، کیا خوشی کا یہ مطلب ہے مگر اب مجھے یہ اپنے اندر محسوس ہو رہی ہے۔ ہمارے پاس کبھی فیصلے کی طاقت کیوں نہیں ہوتی۔ ہم حقیر کیڑوں مکوڑوں کی طرح زندگی گزار دیتے ہیں۔ ہر وقت ہارے ہوئے، ہم کھانا پکاتے، کھاتے اور پھر سو جاتے ہیں۔ ہر وہ جس سے ہم پیار کرتے ہیں، وہ مر رہا ہو تو پھر بھی ہم دنیا سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ یہ کوئی قابلِ قبول حل نہیں ہے۔

مجھے محسوس ہوا۔ آج پھر اندھیرا میری سانس میں رکاوٹ بن رہا ہے، اپنی بھاری مایوس کن نیند میں، میں وسوسے اور وہم سے لڑتی رہی۔

اگلی صبح روشن تھی۔ میں اپنے کپڑے دھو رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے حیرانی سے فون اٹھایا۔ ایک باریک چیختی ہوئی آواز آئی۔ ''پیاری میکا گے۔ تم کیسی ہو؟''

چیکا میں نے خوشی سے کہا۔ فون میں سے ٹریفک کا شور سنائی دے رہا تھا لیکن مجھے آواز پہچاننے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ چیکا، اریکو کے کلب کی انچارج تھی۔ وہ اکثر ہمارے اپارٹمنٹ میں آ کر رہا کرتی تھی۔ اریکو کی طرح چیکا بھی میک اپ میں خوبصورت لگتی تھی مگر اس کی مردانہ جھلک بھی نمایاں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک بچہ زیر زمین ریلوے اسٹیشن پر اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ چیکا نے اس حرکت پر رونا شروع کر دیا، وہ بہت حساس تھی۔

''میں ابھی ریلوے اسٹیشن پر ہوں، تم مجھے مل سکتی ہو؟ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ تم نے دوپہر کا کھانا کھا لیا؟''

''ابھی نہیں'' میں نے کہا۔

''تو پھر 'سارا شینا' آ جاؤ۔'' میں نے کپڑے دھونا بند کیے اور باہر چلی گئی۔ علاقے کی کئی سڑکیں عبور کرنے کے بعد آخر کار مجھے وہ جگہ مل ہی گئی۔ میں اندر چلی گئی، وہاں چیکا بیٹھی نوڈلز کھا رہی تھی۔

چیکا میں اس تک چل کر گئی۔

''کتنے دن ہو گئے تم سے ملے ہوئے۔تم اتنی خوبصورت ہو گئی ہو۔'' مجھے اس کی مسکراہٹ دکھائی دی۔جو دنیا سے کہتی تھی ''میں کس چیز پہ شرم کروں۔''میں نے کھانا منگوایا۔ویٹرس دوپہر کے کھانے کے رش میں تیزی سے آئی اور ہماری میز پر پانی کے گلاس رکھ کر چلی گئی۔

''تمہیں مجھ سے کیا بات کرنا تھی؟''میں نے پوچھا۔جب بھی چیکا کو کوئی بات کرنا ہوتی تھی تو وہ کبھی ضروری بات نہیں ہوتی تھی اور میں سمجھی کہ اس بار بھی کچھ ایسا ہی ہوگا مگر اس نے کہا۔''یو ایچی کی بات ہے۔''میرا دل رُک گیا۔

''پچھلی رات وہ کلب آیا اور کہنے لگا کہ اُسے نیند نہیں آ رہی' چلو کچھ مزا کرتے ہیں' اُس نے کہا۔میں اس لڑکے کو بچپن سے جانتی ہوں۔ہم ماں بیٹے کی طرح ہیں۔''میں مسکرائی۔''مجھے پتا ہے چیکا۔''

''اُس نے کہا تو میں حیران رہ گئی مگر اس لڑکے نے اپنی کمزوری کسی کے سامنے ظاہر نہیں کی لیکن کل وہ رو رہا تھا۔مجھ سے کہہ رہا تھا کہیں چلتے ہیں۔میں اس کے ساتھ چلتی مگر کلب میں بہت سے ضروری کام تھے لہٰذا میں نہیں جا سکتی تھی تو اُس نے خود کہا،میں خود کہیں چلا جاتا ہوں۔میں نے اُس سے کہا تم میکا گے کے ساتھ کیوں نہیں چلے جاتے؟اُس نے جواب دیا۔وہ ملازمت کے سلسلے میں اِئی زُو جا رہی ہے اور وہ اب خوش ہے،میں اُسے اپنی اداسی میں نہیں گھسیٹنا چاہتا پھر مجھے خیال آیا۔یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں،اس میں کوئی شک نہیں ہے۔میکا گے اُس کے پیچھے جاؤ۔''

چیکا میں نے کہا۔''مجھے کل کام کے لیے شہر سے باہر جانا ہے۔''میں سکتے میں تھی۔

میں یو ایچی کے احساسات کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔وہ میری طرح مگر مجھ سے سو گنا زیادہ اُس کو کہیں دور بھاگنا تھا۔اُس کو تنہائی چاہیے تھی کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی،جہاں

اُسے کچھ سوچنا نہ پڑے۔وہ ہر چیز سے بھاگنا چاہتا تھا،مجھ سے بھی۔شاید اس کا واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا۔

''یہ کام کیا ہے جس کے لیے تم اِئی زو جارہی ہو؟''چیکا نے پوچھا۔

''ایسے وقت میں عورت کو ایک ہی کام کرنا چاہیے یا پھر۔۔۔۔۔اب مجھے سمجھ آیا کہ تم دنوں ابھی تک ساتھ سوئے نہیں۔''

چیکا میں نے کرخت لہجے میں اس سے کہا۔دل میں پھر بھی میں سوچتی تھی اگر دنیا میں ہر کوئی چیکا کی طرح ہو تو دنیا کتنی بہتر ہوجائے گی۔اس کی آنکھوں میں میری اور یواچی کی تصویر حقیقت سے زیادہ خوبصورت تھی۔

''میں اس پر سوچوں گی۔''میں نے کہا۔ابھی جب سے اریکو کا سنا ہے،ذہن میں کنفیوژن ہے اور یواچی کے لیے تو اس سے بھی زیادہ ہوگی۔مجھے اس کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آنا ہوگا۔''

چیکا نے سنجیدہ چہرہ بناتے ہوئے کہا۔مجھے پتا ہے جس رات اریکو کی موت ہوئی،اس رات میں چھٹی پر تھی۔میں ابھی تک یہ حقیقت قبول نہیں کرپارہی مگر میں اس قاتل کو جانتی تھی،وہ ہر وقت کلب کے چکر کاٹتا رہتا تھا اگر اریکو مجھے اس کے بارے میں بتا دیتی تو شاید آج ایسا نہ ہوتا۔یواچی بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ایک رات ہم خبریں دیکھ رہے تھے،اس نے خوف زدہ چہرہ بناتے ہوئے کہا۔''جو دوسروں کو قتل کرتے ہیں،ان کو بھی مرجانا چاہیے۔''یواچی اب اس دنیا میں بالکل اکیلا ہے۔اریکو اپنے مسئلے اکیلے نمٹاتی تھی۔یہ عادت اس میں اریکو سے آئی ہے۔اس لیے یہ عادت اس لحاظ سے بری ہے کہ وہ اپنے دل کی بات کبھی کسی کو نہیں بتائے گا۔بہت ہو چکا۔''

ایک ایک کرکے چیکا کے آنسو ٹپکنے لگے۔اُس نے رونا شروع کیا تو ہر کوئی مڑ کے ہمیں دیکھنے لگا۔اُس کے کندھے غم سے کپکپا رہے تھے۔اُس کے سوپ کے

پیالے میں آنسو گر رہے تھے۔

میکا گے ایسے حادثات کیوں ہوتے ہیں۔میرا خداؤں سے یقین اٹھتا جارہا ہے۔''ہم 'اریکو' کو اب کبھی نہیں دیکھیں گے، مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔''

میں چیکا کو ریسٹورنٹ سے باہر اسٹیشن تک ہاتھ تھام کے لائی۔''مجھے افسوس ہے۔''اُس نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے مجھے ایک پرچی دی، جس میں یواپچی کی رہائش کا پتا اور فون نمبر درج تھا۔

مجھے اس ملاقات نے شدید متاثر کیا۔چیکا واپس چلی گئی۔یہ سچ تھا، وہ بہت جلدی نتیجہ اخذ کرلیا کرتی تھی، اسی وجہ سے اس کی زندگی بہت مشکل تھی مگر اس کی آنسوؤں کی خوبصورتی میں نہیں بھول سکتی تھی۔اُس نے مجھے احساس دلایا کہ انسانی دل ایک بہت قیمتی چیز ہوتا ہے۔

نیلے آسمان کے نیچے ٹھنڈی ہوا سانس میں بھرتے ہوئے میں حالات کے بارے میں سوچ رہی تھی جو میرے قابو سے باہر تھے۔مجھے کیا کرنا چاہیے، اس بارے میں مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔آسمان نیلا تھا، بنجر درختوں کے درمیان سے ٹھنڈی ہوا گزر رہی تھی۔

''میں خداؤں پر یقین نہیں رکھ سکتی۔''

اگلے دن میں اِئی زُو کے لیے روانہ ہوئی۔ہماری ٹولی میں سِین سے، کچھ عملے کے لوگ، ایک کیمرہ مین اور میں تھی۔میں نے سوچا۔یہ سفر خواب جیسا ہوگا۔خدا کی طرف سے تحفے جیسا! مجھے ایسا لگ رہا تھا، پچھلے چھ مہینوں سے رونما ہونے والے واقعات سے مجھے آزادی مل رہی تھی۔

اریکو کی موت تک یواپچی کے ساتھ میرا تعلق لاپرواہ اور غیر سنجیدہ تھا مگر درحقیقت وقت کے ساتھ یہ الجھتا جا رہا تھا۔خوشی اور غم کے لمحے شدت اختیار کرتے جا رہے تھے۔اُن لمحات کو عام زندگی کے ساتھ لے کر مزید چلنا مشکل ہو رہا تھا۔بڑی کوشش کے بعد ہم دونوں نے ایک دوسرے سے الگ ایک جگہ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔اس جگہ کو روشن کرنے والے سورج کا مرکز اریکو تھی۔

گزشتہ مہینوں میں ہونے والے تجربات نے مجھے بدل دیا تھا۔شیشے میں مجھے اِس بگڑی ہوئی شہزادی کے صرف خدوخال دکھائی دے رہے تھے۔اس کا حقیقی حسن متاثر ہوا تھا۔

گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے میں نے اس بات کو سوچا۔میں کتنی دور آ گئی ہوں۔میں تھک چکی تھی۔میں بھی یواپچی سے دور جانا چاہتی تھی،سکون کو ڈھونڈنا چاہتی تھی مگر افسوس کہ سچ یہی تھا۔

اُس شام میں سِینسے کے کمرے میں گئی۔''سینسے''میں نے کہا۔مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے،کیا میں باہر جا کر کچھ کھا سکتی ہوں؟''

عملے کے ایک سینئر رکن نے ہنس کر کہا۔''بیچاری میکاگے تم نے کھانا نہیں کھایا؟''

مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی۔وہ ہوٹل سبزی کے کھانوں کے لیے مشہور تھا اور مجھے سبزیاں کچھ زیادہ پسند نہیں تھیں۔اس لیے میں نے زیادہ چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔وہ مسکرائیں اور اجازت دے دی۔

دس بج چکے تھے۔میں برآمدے سے ہوتی ہوئی اپنی کمرے میں گئی۔تیار ہوئی اور ہوٹل سے باہر آ گئی۔

اس ہوٹل میں کھانا اچھا نہیں تھا مگر اگلے دن ہمیں کسی اور ہوٹل جانا تھا۔چاند کی روشنی کے نیچے ٹہلتے ہوئے میں نے خواہش ظاہر کی۔میں اپنی بقایا زندگی ایک جگہ سے

دوسری جگہ سفر کرنے میں گزاروں۔میرے پاس اگر گھر جانے کو خاندان بھی ہوتا تو تجسس کرتی۔فی الحال تو میں تنہائی محسوس کر رہی تھی۔جب آپ سفر کر رہے ہوتے ہیں تو ہر رات واضح اور نکھری ہوئی ہوتی ہے۔ذہن بالکل پرسکون ہوتا ہے اگر میرے لیے کہیں بھی کوئی انتظار نہ کر رہا ہو تو میرے لیے یہ پرسکون زندگی ٹھیک رہے گی لیکن میں نے یہ جانا میں، آزاد نہیں ہوں۔مجھے یواچی کی روح نے چھو لیا ہے،کاش کچھ آسان ہوتا،اس سے دور رہنا۔

میں کچھ دیر ہوٹلوں سے بھری سڑک پر چلتی رہی۔پہاڑوں کے کالے سائے شہر بھر پر چھائے ہوئے تھے۔پیتے ہوئے مدہوش سیاح ہر جگہ دکھائی دے رہے تھے اور زور زور سے ہنس رہے تھے۔میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔میں تنہا ستاروں کے نیچے اجنبی جگہ پر آ کر مسرت محسوس کر رہی تھی۔

میں اپنے سائے پہ قدم رکھتی ہوئی چلتی رہی۔جن ہوٹلوں سے شور کی آواز آ رہی تھی ،ان سے بچ کے آگے بڑھتی رہی، یہاں تک کہ میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی۔میں نے چند دکانوں کی کھڑکیوں سے جھانکا اور دیکھا،ایک چھوٹی سی دکان کھلی ہوئی ہے۔میں نے وہاں دیکھا،ایک ہی شخص بیٹھا تھا۔میں دروازہ کھول کے اندر چلی گئی۔

میں نے چاولوں کے ساتھ خنزیر کا گوشت منگوایا۔"مجھے گوشت بھوننے میں تھوڑا وقت لگے گا۔" دکاندار نے کہا۔"کوئی بات نہیں۔"میں نے کہا۔لگتا تھا یہ جگہ نئی بنی تھی سفید اور صاف لکڑی کی مہک آ رہی تھی۔سب کچھ سلیقے اور قرینے سے سجا ہوا تھا۔ماحول خوش گوار تھا۔ایسی جگہوں پر عموماً کھانا اچھا مل جاتا ہے۔میں انتظار کر رہی تھی کہ میری نظر ٹیلی فون پر پڑی۔

میں نے فون اٹھایا اور چیکا کی دی ہوئی پرچی نکالی۔اس پر یواچی کا نمبر لکھا ہوا تھا۔

جب کال یواپچی کو ملادی تو میرے ذہن میں خیال آیا۔ایریکو کی موت کے بعد میں یواپچی کے کے ساتھ جس تنہائی کو محسوس کررہی تھی،اس کا تعلق فون سے تھا۔اس کے بعد سے یواپچی جب میرے برابر میں کھڑا ہوتا تو مجھے لگتا، وہ کسی اور دنیا میں ہے یا فون کی دوسری طرف۔وہ دنیا میری دنیا سے زیادہ تاریک تھی،جیسے سمندر کی تہہ۔۔۔

یواپچی نے فون اٹھایا۔''ہیلو''

اُس کی آواز سن کر تسکین ملی۔

''میکاگے،یہ تم ہو؟''تمہیں کیسے پتا چلا،میں کہاں ہوں۔ہاں ظاہر ہے چیکا نے بتایا ہوگا۔''اس کی آواز سے ہمارے درمیان موجود فاصلہ محسوس ہورہا تھا۔میں نے اپنی آنکھیں بند کیں۔اس آواز کو سنا جو مجھے بہت یاد آرہی تھی۔ایسا لگا جیسے لہریں ساحل کے کنارے ٹکرارہی ہیں۔

میں نے کہا۔''تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟یہ کیسی جگہ ہے؟

''یہاں پہاڑی کے اوپر ایک مزار ہے،شاید بہت مشہور ہے۔پہاڑی کے نیچے ایک ہوٹل ہے جہاں صرف توفو ملتا ہے۔میں کھانے میں ہروقت صرف یہی کھاتا ہوں۔''

''یہ کیسا کھانا ہے،مزے کا لگتا ہے؟''

''اچھا تمہیں اس میں پیشہ ورانہ طور پر دلچسپی پیدا ہورہی ہے؟توفو کو ہم صرف توفو ہی کہہ سکتے ہیں۔یہ برانہیں ہے مگر کہلاتا توفو ہے۔جب مجھے سوپ ملا تو اس میں بھی توفو تیر رہا تھا۔میرا دل کچھ سخت چیز کھانے کو کررہا تھا۔میں نے سوچا کھانے کے آخر میں چاول تو دیں گے مگر نہیں۔انہوں نے مجھے سوپ والے چاول چائے کے ساتھ دیے۔مجھے ایسے لگا،میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں۔

''میں بھی اس وقت بہت بھوکی ہوں۔''

''تمہارے ہوٹل میں کھانا دستیاب نہیں؟''

''دستیاب ہے مگر میری پسند کا نہیں۔''

''عجیب سی بات ہے۔ایسا ہونا تو نہیں چاہیے۔''

''خیر کل ہمیں اچھا کھانا ملے گا۔''

''تم خوش قسمت ہو، مجھے تو کل بھی توفو ہی ملے گا۔''

''ہاں! گرم مٹی کے برتن میں گرم توفو۔''

''ویسے چیکا کو توفو بہت پسند ہے۔اسی لیے اُس نے اس جگہ کی تعریف کی تھی۔جگہ تو اچھی ہے، بڑی کھڑکیاں ہیں۔باہر آبشار کا نظارہ ہے مگر مجھے فربہ کر دینے والے کھانے پسند نہیں ہیں۔کیسی عجیب سی بات ہے۔ہم دونوں ایک ہی آسمان کے نیچے خالی پیٹ ہیں۔'' یواپچی نے کہا۔

میری یہ بیوقوفی تھی مگر میں اس کو بتا نہیں سکتی تھی۔میں ابھی گوشت اور چاول کھانے والی ہوں۔مجھے لگتا تھا یہ کہہ کر میں بے وفائی کروں گی۔میں اُس کے اِس تصور کو 'ہم بھوکے ہیں' توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

اس وقت مجھے وجدانی کیفیت محسوس ہوئی۔موت کے اندھیرے میں ہم جس طرح گھرے ہوئے تھے، ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے آہستہ آہستہ نرم گوشے کی طرف بڑھ رہے تھے اگر ہم اس مرحلے کو ہم عبور کر لیتے تو پھر ہم دونوں اپنے اپنے الگ راستوں پر نکل جاتے اگر ایسا ہوتا تو ہم ہمیشہ کے لیے صرف دوست رہ جاتے۔

''تم واپس کب آرہے ہو؟''

تھوڑی سی خاموشی کے بعد یواپچی بولا۔''بہت جلد''

یہ جھوٹا ہے۔میں جانتی تھی، ابھی یہ وہیں رہے گا جب تک اس کے پاس پیسے ختم نہیں ہو جائیں گے۔یہ وہی یواپچی تھا جس نے مجھ سے ایریکو کی موت چھپائی۔اپنے غم کو اندر ہی چھپائے رکھا۔یہ اس کی فطرت تھی۔

''چلو پھر بعد میں ملتے ہیں۔''میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے بعد میں۔''شاید اُسے بھی نہیں پتا تھا، وہ کیوں بھاگا۔

''اپنی کلائیاں مت کاٹ لینا۔''میں نے مذاق میں کہا۔اُس نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔

فون رکھتے ہی مجھے ایک تھکاوٹ نے مکمل طور پر لپیٹ لیا۔میرا ہاتھ فون پر رکھا ہوا تھا۔میں ہوٹل سے کے باہر لوگوں کو ٹھٹھرتے ہوئے سردی کی شکایت کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔دن رات میں بدل گیا تھا۔رات اسی طرح دنیا کے اوپر سے گزر رہی تھی۔میں پھر سے خود کو تنہا محسوس کرنے لگی۔یہ احساس اس قدر شدید تھا کہ مجھے لگ رہا تھا۔میں ایک گہری اور تاریک تنہائی میں ہوں، جہاں کوئی مجھے چھو بھی نہیں سکتا۔

لوگ کبھی ماحول اور اپنے اردگرد موجود باہر کی طاقتوں سے نہیں ہارتے بلکہ شکست اندر سے ان پر حملہ کرتی ہے۔میں اپنی طاقت کا مرکز کھو چکی تھی۔میری آنکھوں کے سامنے سب کچھ ختم ہو رہا تھا مگر کوئی احساس ایسا تھا جس کے لیے میں نہیں چاہتی تھی وہ ختم ہو لیکن میرے پاس اس توڑ پھوڑ کو روکنے کے لیے مزید توانائی نہیں تھی۔اب میرے پاس صرف نااُمیدی تھی۔

شاید اسی دن میں کسی بہتر جگہ کے بارے میں سوچ سکوں گی۔سورج کی روشنی پھولوں سے بھری ہوئی مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

میرا کھانا تیار تھا۔میں کھانے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی، بعض اوقات فوجیوں کو لڑنے کے لیے پیٹ پر پتھر بھی باندھنے پڑتے ہیں۔میں نے کھانا چکھا۔

''بہت مزے کا ہے۔''میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''خوشی ہوئی، آپ کو پسند آیا۔''ماہرِ پکوان نے جواب دیا، جس نے یہ کھانا تیار کیا تھا۔

میں بھوکی تو تھی مگر یہ کھانا پیٹ بھرے کو بھی اچھا لگتا۔ گوشت معیاری تھا، انڈے اور پیاز خوبصورتی سے بنائے گئے تھے۔ چاول بہت عمدہ طریقے سے پکے ہوئے تھے پھر مجھے یہ بھی یاد ہے، سینیسے نے کہا تھا ''ہمارے پاس اس ہوٹل میں آنے کا وقت نہیں ہوگا۔'' میری کیا قسمت تھی پھر میں نے سوچا کاش یہاں یواپچی ہوتا اور میں یواپچی کے لیے یہ کھانا پیک کرواتی۔

ایسے میں خود کو میں نے اُس اندھیری گلی میں آدھی رات کو ہاتھ میں کھانا اٹھائے اکیلے کھڑے پایا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کس طرح معاملات کو مزید آگے لے کر چلوں۔

میں کیا سوچ رہی تھی؟ مجھے کیا کرنا تھا؟ اتنی دیر میں ایک ٹیکسی میرے سامنے آ کر رُکی اور میرا مسئلہ حل ہوگیا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے ای سے ہارا جانا ہے۔''

''ای سے ہارا؟'' ڈرائیور نے میری طرف حیرانی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن یہ جگہ بہت دور ہے۔ آپ کو کافی مہنگا پڑے گا۔''

''ہاں مگر مجھے ضروری جانا ہے۔'' میں نے اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے کہا۔ میں اپنے آپ کو تسلی دیتی رہی۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ ''جب میں وہاں پہنچوں گی تو کرایہ دے دوں گی مگر آپ کو بیس منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ مجھے کچھ ضروری کام ہے اور پھر مجھے یہاں واپس لانا ہوگا۔''

''محبت کا معاملہ ہے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کچھ اسی طرح کی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے تو پھر چلتے ہیں۔''

رات کے وقت ٹیکسی مجھے اور اُس کھانے کو 'ای سے ہارا' لے کر چل پڑی۔ دن کی تھکن کی وجہ سے میری آنکھ لگ گئی۔ سڑک خالی تھی۔ ہم تیزی سے آگے بڑھ رہے

تھے۔ ایکدم سے میری آنکھ کھلی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا، میرا دماغ جاگ رہا ہے مگر میرے ہاتھ اور ٹانگیں سو رہی تھیں۔ جب میں نے ذرا آگے بڑھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنا چاہا تو میرے پورے جسم میں جان آ گئی۔ ڈرائیور نے کہا۔ ''ہم تقریباً پہنچ گئے ہیں۔''

میں نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ چاند چمکتے ہوئے فلک کو عبور کر رہا تھا اور اپنے راستے میں حائل ستاروں کو ہٹاتا جا رہا تھا۔ میں نے اُسے ایک بادل کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ اُس بادل میں مکمل طور پر چھپ گیا پھر بادل کی اوٹ سے نکل آیا۔ ہم درختوں کے سائے، کھیت اور پہاڑوں کو تصویروں کی طرح پار کرتے چلے گئے۔ کبھی کبھار برابر سے کوئی ٹرک گزرتا، اس کے بعد سب کچھ دوبارہ رُک جاتا۔ چاند کی روشنی میں سڑک روشن تھی۔

''ہم ای سے ہارا'' پہنچ گئے تھے۔

ڈرائیور نے کہا۔ ''آپ کو پتا ہے، یہاں پہلے پروہت رہتے تھے۔ وہ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ انہوں نے توفو کی ایجاد کی۔ ان کے ہوٹلز توفو کے لیے بہت مشہور ہیں۔

''ہاں میں نے سنا ہے۔'' میں چیکا کی دی ہوئی پرچی کو دیکھ چکی تھی۔ ''اگلے کونے پر گاڑی روک دینا۔'' میں نے کہا۔ ''میں جلد واپس آؤں گی۔''

''ضرور'' اُس نے ٹیکسی روکتے ہوئے کہا۔

بہت زیادہ سردی تھی۔ میرے ہاتھ اور گال جم گئے تھے۔ میں نے دستانے نکال کر پہن لیے اور کھانا ہاتھ میں اٹھا کر پہاڑی چڑھنا شروع کر دی۔

مجھے ایک انجانے خوف کا احساس ہورہا تھا۔یہ ہوٹل جہاں یوایچی ٹھہر اہوا تھا، پرانے زمانے کا ہوٹل نہیں تھا جس میں جانا آسان ہو۔یہ جدید قسم کا ہوٹل تھا۔اس کا مرکزی دروازہ خودبخود کھلنے والا تھا مگر ابھی وہ مقفل تھا۔

میں دوبارہ نیچے آئی اور ہوٹل فون کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔آدھی رات ہورہی تھی۔میں نے اندھیری عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے حیرانی سے خود سے کہا۔''میں یہاں کیا کررہی ہوں؟''

میں نے بھی ہار نہ مانی۔ہوٹل کے عقب میں گئی،وہاں سے اوپر جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگی۔یوایچی نے بتایا تھا،ہوٹل سے پیچھے باغ ہے،اس میں سے آبشار بھی نظر آتی ہے۔ہر کمرے کا رخ باغ کی طرف ہے لیکن ابھی تو ہر کھڑکی اندھیری تھی۔میں سوچ میں پڑگئی۔بہتے پانی کی آواز آتی رہی۔آبشار بتیوں سے روشن تھی،درخت غیری فطری طور پر چمک رہے تھے۔یہ دیکھ کر مجھے ڈزنی لینڈ یاد آگیا۔میں پھر مڑی اوراندھیری کھڑکیوں کو دیکھنے لگی۔

پھر یکدم سے کسی انجانے خیال نے میری رہنمائی کی۔مجھے اندازہ ہوگیا،یواایچی کا کمرہ کون سا ہے۔بالکل کونے والا کمرہ یوایچی کا تھا۔مجھے لگا کسی بھی وقت میں اس کھڑکی سے جھانک رہی ہوں گی۔میں اس کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔مجھے آگے بڑھنے میں بہت مشکل پیش آرہی تھی،میں بہت احتیاط سے پتھروں کو عبور کرتے ہوئے اوپر تک چلی گئی۔ایک جگہ مجھے چھلانگ بھی لگانا پڑی اورمیں وہاں کچھ دیر لٹکی بھی رہی۔

میرے ہاتھ سردی سے سُن ہوچکے تھے۔مجھے کچھ محسوس نہیں ہورہا تھا۔میری کمر ایک طرف سے بُری طرح شل ہوچکی تھی۔میں نے اپنے آپ سے کہا۔''اپنے آپ کو دیکھو،اچانک آجانے والے ایک خیال کی وجہ سے تم پہاڑوں کی بلندی پر اس وقت معلق ہو،تمہاری سانس پھولی ہوئی ہے۔اس بار تو تم نے حد ہی کردی۔''

جن پتھروں پر چڑھ کر میں اوپر آئی تھی، وہ مجھے بہت دور دکھائی دے رہے تھے۔اب میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔میں نے اپنا پورا زور لگا کر خود کو اوپر کی طرف کھینچا۔ مجھے کچھ کٹنے کی آواز محسوس ہوئی اور میرے سیدھے ہاتھ میں شدید درد ہونے لگا مگر کسی نہ کسی طرح ہوٹل کی عمارت کی چھت پر جا پہنچی۔اوپر چھت پر بارش کا پانی جمع تھا۔میری ٹانگیں بھیگ گئی تھیں۔میں نے اپنے بازو کو دیکھا، وہ خون سے سُرخ ہو چکا تھا۔میں نے اپنا بستہ اتارا۔چھت کا معائنہ کرنے لگی۔چاند اور بادلوں کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا، ہم دونوں ایک ہی حال میں ہیں۔

سب سمجھتے ہیں کہ ہم کئی منتخب راستوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرتے ہیں مگر یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا، ہم لاشعوری طور پر کسی بھی راستے کو چنتے ہیں۔میں نے بھی یہی کیا تھا۔ہم ہر وقت کوئی نہ کوئی فیصلہ کر رہے ہوتے ہیں۔ہر گزرتے دن کے ساتھ ہم یہ سوچتے ہیں کہ اپنی ڈھلتی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنی آنکھوں میں تاثرات کو کیسے رکھیں، ہم کون سے کام کریں اور کون سے نہ کریں، ہم اس کا فیصلہ لاشعوری طور پر ذہن میں کر لیتے ہیں۔ہم میں سے کچھ سرد موسم میں ہاتھوں میں کھانا اٹھائے کسی عجیب سی جگہ کی چھت پر بارش کے پانی میں آ کھڑے ہوتے ہیں جیسے، یہ بات دنیا میں سب سے فطری ہو۔یہ سب باتیں سوچتے ہوئے میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔وہاں چمکتا ہوا چاند بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔میں کھڑی ہوئی اور یوایچی کی کھڑکی کو کھٹکھٹایا۔

میں نے دستک کے جواب کا انتظار کیا۔سردی میرے گیلے کپڑوں میں گھسے جا رہی تھی۔اتنی دیر میں یوایچی نے کمرے کی ٹیوب لائٹ جلائی اور خوف زدہ ہوتے ہوئے کھڑکی کو کھولا۔کھڑکی کے اوپر سے صرف میرا سر دکھائی دے رہا تھا۔یوایچی نے مجھے غور سے دیکھا۔''میکا گے؟''میں نے سر ہلایا۔''ہاں''اُس نے حیرانی سے کھڑکی کھولی اور میں اندر داخل ہوگئی۔

کمرہ گرم تھا، جیسے کوئی اور دنیا۔ میرا ٹوٹا ہوا جسم اور دماغ دوبارہ جڑنے لگا۔

''میں تمہیں یہ کھانا دینے آئی تھی۔'' میں نے کہا۔

''اِسے کاتسودون کہتے ہیں۔ بہت مزے کا کھانا ہے۔''

روشنی جاپانی قالین پر چمک رہی تھی۔ ٹی وی چل رہا تھا۔

''ہمارے ساتھ ایسا پہلے بھی کچھ ہو چکا ہے۔'' یواچی نے کہا۔ انہی حالات سے ملتا جلتا خواب ہم نے دیکھا تھا۔

میں ہنسی۔ ''ہم پھر وہی گانا گائیں۔'' اُس لمحے میں اور یواچی حقیقت بھول گئے تھے۔ ہم نے جتنا وقت ایک ساتھ گزارا تھا، وہ سب یکدم سے کوئی خواب لگنے لگا تھا۔

''یواچی تم چائے بنا سکتے ہو؟ پھر مجھے جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ضرور'' اُس نے چائے کے برتن اٹھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے چائے بنائی۔ میں نے پی۔ آخرکار سکون ملا۔ میں دوبارہ سے زندہ ہو رہی تھی۔

پھر مجھے ماحول کے بھاری پن کا احساس ہونے لگا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا، میں یواچی کے بُرے خواب میں ہوں اگر میں زیادہ دیر رکی تو اس کا مستقل حصہ بن جاؤں گی۔ میں نے کہا۔ ''یواچی تم واپس تو نہیں جانا چاہتے، ہے نا؟ تم اپنے آپ کو عجیب سی زندگی سے الگ کرنا چاہتے ہو، تم ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتے ہو، مجھ سے جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مجھے سب پتا ہے۔'' میں نے یہ سب کچھ پریشانی میں بولا مگر میں پُرسکون تھی۔

خاموشی چھا گئی۔ میرا سینہ جکڑا جا رہا تھا، میرا سونے کو دل چاہ رہا تھا۔ یواچی نے کاستودان کھانے شروع کر دیے۔

''میکاگے، تمہارے ہاتھ پہ کیا ہوا؟'' یواچی نے پوچھا۔

میں مسکرائی اور اپنا ہاتھ دکھایا۔ ''کچھ نہیں ہے تم کھانا کھاؤ اس سے پہلے کہ یہ ٹھنڈا

ہو جائے۔''

اُس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر اس نے کہا۔''ہاں مزے کا ہے۔'' کھانا کھانے کے بعد اس میں جان آنے لگی۔ میں جو کر سکتی تھی۔

میں نے کیا۔ مجھے پتا تھا کہ وہ وقت جو ہم نے ساتھ گزارا۔ وہ ہماری یاداشت میں نقش تھا۔ وہ دن دوبارہ یاد آنے لگے جیسے تازہ ہوا روح کو چھو جائے۔

ایک رات میں اور یواچی کمپیوٹر پر گیم کھیل رہے تھے۔ اریکو کے گھر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد ہم انڈے اور سبزی کے کیک کھانے کے لیے باہر گئے۔ یواچی نے مجھے ایک مزاحیہ کتاب پڑھنے کے لیے دی۔ اریکو نے وہ پڑھی اور اتنا ہنسیں، اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اتوار کی صبح میں آملیٹ کی خوشبو سے گھر مہک رہا تھا اور میں زمین پر سو رہی تھی، کسی نے مجھے چادر اوڑھائی۔ اریکو کے اسکرٹ کی آہٹ محسوس ہوئی۔ یواچی کا اریکو کو گاڑی میں گھر لانا، ان دونوں کا ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے چلنا، گرمیوں کے فیسٹیول میں شرکت کرنا، رات کی ہوا میں لال جگنوؤں کا ناچنا۔۔۔

اچھی یادیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔۔۔

یواچی نے مجھ سے یہ کہا تھا۔''میں جو بھی کھانا تمہارے ساتھ کھاتا ہوں، وہ اتنا مزے کا کیوں ہوتا ہے؟''

''شاید اس لیے'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔''ہم ایک خاندان کے افراد ہیں۔ اریکو کی غیر موجودگی میں بھی ہم دونوں کے بیچ ہنسی مذاق کا ماحول بن گیا تھا۔ یواچی کا ستودون کھا رہا تھا، میں چائے پی رہی تھی۔ اب اندھیرے میں موت کا احساس باقی نہیں رہا تھا۔

میں کھڑی ہوئی۔''اب میں چلتی ہوں۔''

''واپس؟''یوایچی نے حیرانی سے پوچھا۔''کہاں؟تم کہاں سے آئی ہو؟''

تم صحیح کہہ رہے ہو،میں نے کہا۔''اگر میں تمہیں بتادوں گی تو یہ رات حقیقت میں بدل جائے گی،میں ٹیکسی میں اِئی زُو سے یہاں آئی ہوں۔یوایچی میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ہم بہت تنہا تھے۔موت کا احساس بہت بھاری ہوتا ہے۔اس کو ہم ہلکا نہیں کرسکتے۔اس کے بعد ہم شاید بدصورت مشکلات کی اذیت کے علاوہ کچھ نہ دیکھ سکیں مگر میں چاہتی ہوں،ہم دونوں اس سے زیادہ مشکل جگہوں پر جائیں،اس سے زیادہ خوشگوار جگہوں پر بھی جائیں مگر ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ میسر ہو۔میں چاہتی ہوں،تم اس بارے میں کچھ فیصلہ کرومگر تھوڑا وقت لواور اس پر سوچو مگر مجھ سے دور ہوکر غائب نہ ہوجانا۔''

یوایچی نے میری آنکھوں میں دیکھااور کہا۔یہ سب سے بہترین کستودون ہے۔اس سے اچھا میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں کھایا۔''

''ہاں''میں مسکرائی۔

''میں چاہتا تھا،تم مجھے دیکھو،جب میں خود کو تھوڑا بہتر اور مضبوط محسوس کروں۔''

''تم میری خاطر ایک موٹی کتاب کو آدھا پھاڑ سکتے ہو؟''

''ایسے ہی یا پھر گاڑی اٹھا کر پھینک سکتے ہو؟''

''یا ٹرک کو ہاتھوں سے اٹھا کر دیوار سے دے مار سکتے ہو؟''

''ایسی ہی کچھ معمولی چیزیں۔''یوایچی مسکرا رہا تھا۔مجھے پتا تھا،میں نے اس کے دل کو چھولیا ہے۔

''اب میں چلتی ہوں ورنہ ٹیکسی مجھے چھوڑ جائے گی۔''

''میکاگے،اپنا خیال رکھنا۔''

میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایااور ٹیکسی کی طرف بھاگی۔واپس آکر اپنے ہوٹل

کے گرم کمرے میں لحاف کے اندر گھس کر سوگئی۔

میں چپلوں کی آواز سے اٹھی۔ہال میں لوگوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔دنیا بدل چکی تھی۔باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔

پچھلی رات ایک خواب سا لگ رہا تھا۔میں کھڑی ہوئی تھی،روشنیاں جل رہی تھیں۔باہر برف باری ہورہی تھی۔کمرہ سفید رنگ کا تھا،سفیدی کمرے میں چمک رہی تھی۔

میں دوبارہ کمبل میں گھس گئی۔

ایریکو اب نہیں تھیں۔

باہر کا نظارہ کرتے ہوئے مجھ پر یہ انکشاف ہوا ،میں اور یواچی اب کیسے بھی رہیں۔میں اُنہیں دوبارہ نہیں دیکھ سکتی۔

اتنی دیر میں سینسے نے آواز دی۔''میکاگے تم جاگ گئی ہو؟ دیکھو باہر کتنی خوبصورت برف باری ہورہی ہے۔''

''آرہی ہوں۔''میں نے آواز دی۔میں جاگ گئی۔تیار ہوئی اور ایک نئے دن کا آغاز کیا۔باربار ہم دوبارہ شروعات کرتے ہیں۔

آخری دن ہم شی مودا ہوٹل گئے۔وہاں زبردست کھانے کھائے۔

میرے ساتھ کے سب لوگ جلدی سو جاتے تھے۔میں رات کی اُلو تھی۔جب سب اپنے کمروں میں چلے جاتے تو میں ہوٹل کے باہر سمندر کے کنارے پیدل چلتی۔اپنے کوٹ میں لپٹے ہوئے مجھے اتنی سردی لگ رہی تھی ، چیخنے کو دل کررہا تھا۔راستے میں ،میں نے پینے کے لیے کافی بھی خریدی۔

سرد ہوا میرے اردگرد چل رہی تھی۔میں اندھیرے میں پانی کی طرح چلتی گئی اور کافی پیتی گئی۔سمندر اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا۔دور سے مجھے لہریں پتھروں پر ٹکراتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ان کو دیکھ کر مجھے میٹھی اداسی کا احساس ہوا۔بدن میں اترتی

ہوئی ٹھنڈی ہوا میں کھڑے، میں نے اپنے آپ سے کہا۔ ''یوا پچی ہو یا نہ ہو، زندگی میں کئی خوشیاں ہوں گی اور کئی غم۔۔۔

میری ناک بہنے لگی۔ میں اپنے کمرے میں پلٹ آئی۔ اپنے گرم بستر پر جیسے ہی بیٹھی تھی کہ گھنٹی بجی۔ میں نے باہر باغ کو دیکھا۔ سفید گیٹ کو جس کے اُس پار لہریں تھیں۔ جن کی آواز ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

''ہیلو' یوا پچی کی آواز آئی۔ '' آخر کار تمہارا نمبر مل گیا۔''

''تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟'' میرا دل مطمئن ہوا۔

''ٹوکیو' یوا پچی نے کہا۔ مجھے لگا یہ مکمل جواب ہے۔

'' آج ہمارا آخری دن ہے، میں کل واپس آ رہی ہوں۔''

''تم نے خوب ساری مزے کی چیزیں کھائیں؟''

''ہاں'' آج فرانسیسی کھانا تھا'ساشی می اور پرونز کھائے، بہت مزا آیا۔ میں نے تمہارے لیے، واسابی اچار اور ایلپا کھانا بذریعہ کوریئر بھجوایا ہے۔''

''تم نے میرے لیے' ساشیمی اور پرونز کیوں نہیں بھیجے؟''

''کیونکہ وہ بھیجے نہیں جا سکتے تھے۔''

یوا پچی خوش لگ رہا تھا۔ ''میں تمہیں کل ریلوے اسٹیشن سے لے لوں گا۔ تم کتنے بجے پہنچو گی؟''

کمرہ گرم تھا۔ چولہے پر پانی اُبل رہا تھا۔ میں نے اُس کو اپنے آنے کا وقت اور اسٹیشن کا پلیٹ فارم نمبر بتایا، جہاں میں اُسے مل سکتی تھی۔۔۔

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

چاندنی کا سایہ

جہاں بھی وہ جاتا تھا۔ ہیتوشی کے پاس ایک چھوٹی سی گھنٹی ہوتی تھی جو اس کی ڈبیہ پر لٹکی ہوتی تھی۔ اس ڈبیا میں میں اُس کے پاس بس میں سفر کرنے کا پاس تھا۔ ایک چھوٹی سی گھنٹی تھی جو میں نے اُس کو تب دی تھی جب ہم محبت کے رشتے میں نہیں جڑے تھے مگر وہ آخری وقت تک اس کے ساتھ رہی۔

ہم دونوں ہوسٹل کے الگ الگ کمروں میں رہتے تھے۔ ہماری ملاقات یونیورسٹی کے پہلے سال میں فیلڈ ٹرپ پر ہوئی۔ ہمارے پروجیکٹس الگ تھے، اس لیے ہم نے جو وقت ساتھ گزارا، وہ صرف ٹرین میں تھا جس میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ پلیٹ فارم پر پہنچ کر ہم نے نے بچھڑنے کے افسوس میں ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اُس وقت مجھے یاد آیا میری جیب میں ایک گھنٹی پڑی تھی جو کسی بلی کی گردن کے پٹے سے ٹوٹی تھی۔ ''یہ لو'' میں نے کہا۔

''یہ کیا ہے؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، پھر اس نے گھنٹی کو میرے ہاتھ سے لے کر اپنے رومال میں ایسے رکھ لیا جیسے کوئی بہت قیمتی چیز ہو۔ اُس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ یہ رویہ عموماً اِس عمر کے لڑکوں کا نہیں ہوتا۔

یہ محبت تھی۔۔۔۔۔۔

اُس نے یہ اس لیے کیا، تحفہ میری طرف سے تھا یا پھر اس لیے کہ اِس کی تربیت انہی خطوط پر ہوئی تھی۔ کسی کے تحفے کو لاپرواہی سے غیر معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ وجہ کچھ بھی تھی لیکن اُس کے اِس فعل نے مجھے اُس سے قریب کر دیا۔

ہمارے دلوں کے درمیان ایک ایسا نظام تھا جس کو وہ گھنٹی بحال رکھتی۔ اس کی آواز سنتے ہی ہمارے اندر ایک توانائی سی بھر جاتی۔ پورا وقت جو ہم نے ٹرپ میں الگ گزارا۔ ہم دونوں کے ذہن میں صرف اس گھنٹی کی آواز تھی۔ جب بھی وہ اُسے سنتا، مجھے یاد کرتا۔ میں نے وہ ٹرپ اِس تصور میں گزارا۔ مجھے آسمان کے پار سے اس گھنٹی کی آواز آتی تھی۔ جب ہم ٹرپ سے واپس لوٹے تو ایک دوسرے کی محبت میں ڈوب چکے تھے۔

چار سال تک وہ گھنٹی ہر وقت ہمارے پاس ہوتی تھی۔ ہر ایک دوپہر اور شام، چاہے ہم کچھ بھی کر رہے ہوں، ہمارا پیار، جھگڑے، بارش، برف، مسکراہٹیں، آنسو، موسیقی سننا، ٹی وی دیکھنا۔ جب بھی ہیتوشی وہ ڈبیہ نکالتا جس میں اُس کے پیسے بھی ہوتے تھے تو ہمیں اس کی گھنٹی کی ہلکی سی جھنجھناہٹ سنائی دیتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا جب وہ گھر میں نہیں ہوتا تو جب بھی مجھے اس کی گھنٹی کی آواز سنائی دیتی۔ آپ سمجھیں یہ کیا کیفیت ہے۔ شاید یہ ایک جوان لڑکی کے جذبات تھے جو میرے اندر ان احساسات کو جگا رہے تھے مگر میرے خیال سے مجھے واقعی اس کی آواز آتی ہے۔

ایک چیز جو مجھے بہت زیادہ فکر مند کرتی تھی، وہ یہ تھی کہ کبھی کبھار میں اُسے کتنا بھی غور سے دیکھتی، مجھے ایسا لگتا۔ ہیتوشی وہاں پہ نہیں ہے، اکثر جب وہ سو رہا ہوتا تو مجھے اپنا کان اُس کے دل کی دھڑکنیں سننے کے لیے، اُس کے دل پر رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اُس کی مسکراہٹ کتنی ہی چمکدار کیوں نہ ہو، مجھے اس کو دیکھنے کے لیے اپنی نظر پہ زور ڈالنا پڑتا تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات، اُس کے اردگرد ایک مخصوص ماحول میں

شیشے کی دیوار جیسے ایک ہیولے کی طرح ہوتے، جس کے آر پار ہم دیکھ سکتے تھے۔ پورا وقت جب میں اس کے ساتھ تھی، ایک غیر یقینی سی کیفیت رہتی تھی، شاید یہ کسی پیشن گوئی کا احساس تھا۔

ایک محبت کرنے والے کو طویل زندگی جینا چاہیے۔ میں بیس سال کی تھی جب میں نے ہیتوشی کو کھویا۔ اس سے مجھے اتنی اذیت ہوئی مجھے لگا، میری زندگی رُک گئی ہے۔ جس رات اس کا انتقال ہوا، میری روح کسی ایسی جگہ چلی گئی تھی، جہاں سے میں اُسے واپس نہیں لاسکتی تھی۔ میرے لیے دنیا کو پہلے کی طرح دیکھنا ناممکن ہوگیا تھا۔ میرا ذہن لہروں کی طرح اوپر نیچے ہوتا رہا۔ میں نے وہ دن مسلسل بے رنگ دباؤ میں گزارے۔ مجھے ایسا لگتا تھا، میں کسی ایسے تجربے سے گزر رہی ہوں جسے زندگی میں ایک مرتبہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر حمل ضائع کروانا، طوائف زدگی یالا علاج بیماری وغیرہ۔

ہم بہت چھوٹے تھے اور کسی کو کیا پتا تھا، ہماری یہ آخری محبت ہوگی۔ ہم نے خود یہ جانا کہ کسی سے بندھ جانا کیا ہوتا ہے۔ ہم نے خود یہ سمجھا، بھاری اور کٹھن مرحلوں کا بوجھ کتنا اور کیا ہوتا ہے۔ ہم نے یہ سیکھتے ہوئے چار سال گزارے۔

اب وہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ میرا چیخنے کو دل چاہتا ہے۔ سارے خدا شیطان کا کوئی روپ ہیں یا وہ بُری نیت رکھتے ہیں۔ ہیتوشی سے مجھے بے پناہ محبت تھی، اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔۔۔

ہیتوشی کی موت کے دو مہینے بعد ہر صبح میں دریا کے اوپر جو پُل بنا ہوا تھا، اُس کے کونے میں بیٹھ کر چائے پیتی تھی۔ میں روز صبح سویرے پیدل چلتی تھی، ورزش کرتی

تھی۔ پُل پر بیٹھ کر کچھ دیر آرام کرتی اور پھر سے پیدل چلنے لگ جاتی تھی۔

سب سے زیادہ خوف مجھے رات کو سونے سے آتا تھا؟ نہیں۔ سب سے زیادہ خوف مجھے جاگنے سے آتا تھا۔ مجھے اس تصور سے خوف آتا تھا، وہ جا چکا ہے۔ میرے ہر خواب میں ہیتوشی ہوتا تھا۔ ہر بار درد بھری نیند سے بیدار ہونے کے بعد مجھے یہ دوبارہ جاننا پڑتا تھا کہ وہ صرف ایک خواب تھا۔ حقیقت میں اب میں اُس سے کبھی نہیں مل سکتی۔ اس لیے میں کوشش کرتی تھی، میں نیند سے بیدار ہی نہ ہوں لیکن آنکھ کھلنے کے بعد دوبارہ سویا بھی تو نہیں جاتا تھا۔ اتنی اداسی تھی کہ مجھے متلی ہونے لگتی۔ میں پسینے میں ڈوبی کروٹیں بدلتی رہتی۔ پردوں کے پیچھے سے نیلا اور سفید آسمان نظر آتا اور طلوع سحر کی ٹھنڈک مجھے اکیلے پن کا احساس دلاتی۔ میرا دل چاہتا، میں دوبارہ خواب میں واپس چلی جاؤں۔ نیند کے انتظار میں تھک کے اور تنہائی بھرے وقت سے تنگ آکر میں نے صبح کی ورزش شروع کر دی۔ میں کافی طویل راستہ پیدل چلتی۔

میں نے صبح پیدل چلنے کے لیے نیا ٹریک سوٹ اور جوگرز لیے۔ چائے رکھنے کے لیے تھرماس لیا۔ میں سوچتی تھی یہ سب تیاریاں مجھے ماضی کی یاد دلاتی ہیں مگر میں جانتی تھی، مستقبل کی طرف دیکھنا زیادہ بہتر ہے۔

میں بھاگ کر پُل تک جاتی اور لوٹ کر گھر آتی۔ واپس آکر کپڑے دھوتی اور اپنی ماں کے ساتھ ناشتہ بنانے میں مدد کرتی پھر اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ جاتی۔ یہ میری زندگی تھی۔ شام کو میں دوستوں کے ساتھ باہر جاتی، کچھ بھی کرتی مگر کم سے کم فارغ رہتی۔ خود کو بہت مصروف رکھتی مگر اپنے آپ سے لڑنا بیکار تھا۔ اصل میں میری ایک ہی خواہش تھی صرف اور صرف ہیتوشی کو دیکھنا۔ میں ہر قیمت پر یہ کوشش کرتی تھی، میرا دماغ اور جسم کام کرتے رہیں۔ یہ کرتے ہوئے مجھے امید ہوتی، کسی دن شاید میں اس کی یاد سے چھٹکارا پالوں گی۔ اس کی کوئی ضمانت تو نہیں تھی لیکن میں کوشش کرنا چاہتی

تھی، جب تک ایسا ہو نہ جائے۔ بچپن میں میرا کتا مر گیا تھا پھر میری چڑیا بھی مر گئی پھر بھی میں نے خود کو ایسے ہی اُن کے غم سے نکالا تھا مگر اس مرتبہ کچھ مختلف تھا۔ امید کی کرن نہیں تھی۔ دن بدن میرا ذہن ٹکڑوں میں بٹتا جا رہا تھا۔ میں خود سے اس بات کا تسبیح کے وظیفے کی طرح ورد کرتی کہ کچھ نہیں ہوا، سب کچھ ٹھیک ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے، ایک دن تم اس کیفیت سے باہر آ جاؤ گی۔

دریا چوڑا تھا اور شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں بیس منٹ لگتے تھے۔ مجھے اس جگہ سے محبت تھی جو دریا کے کنارے تھی۔ اُس کا گھر دریا کی دوسری طرف تھا۔ میں دریا کے پل پر بیٹھی پانی کے بہاؤ کی آواز سنتی رہتی اور چائے پیتی رہتی۔ اس ٹھنڈی ہوا میں بیٹھے ہر لمحے، میں خود کو موت سے قریب ہوتے ہوئے محسوس کرتی تھی۔ اس انتہائی ویران جگہ کے صاف اور خاموش منظر میں مجھے تھوڑا سکون محسوس ہوتا۔ جب میں وہاں ہوتی تو میرے اوپر خیالات کی یورش اور تشدد آمیز خیالات کا سلسلہ رک جاتا۔ مجھے اس جگہ کی ضرورت تھی۔

اس صبح میں ایک ڈراؤنے خواب سے چونک کر اُٹھی۔ ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ میں روز کی طرح تیار ہو کر باہر نکلی۔ ابھی کافی اندھیرا تھا اور سردی بھی تھی۔ سڑکیں دھندلی سفیدی میں لپٹی ہوئی تھیں۔ آسمان کا رنگ گہرا نیلا ہو رہا تھا۔

مجھے اپنے آپ کو بھگانے کے لیے زبردستی کرنا پڑ رہی تھی۔ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ یہ سوچ کہ نیند پوری کیے بغیر میں اتنا بھاگ رہی ہوں، یہ احساس میرے جسم اور ذہن دونوں پر حاوی ہونے لگا مگر میں نے اس تنگ کرنے والی سوچ کو نظر انداز کیا۔ سڑکیں اور گلیاں کتنی خاموش تھیں کہ مجھے جاگتے رہنا مشکل لگ رہا تھا۔

پانی کے بہاؤ کی آواز تیز ہوتی گئی جیسے جیسے میں دریا کے قریب آتی گئی۔ ہر لمحے آسمان رنگ بدل رہا تھا۔ دریا تیزی سے اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جا رہا تھا۔

آسمان پہ ادھورا چاند چمک رہا تھا۔سانس سفید بھاپ کی طرح میرے منہ سے خارج ہو رہی تھی۔میں نے تھرماس میں سے تھوڑی سی چائے نکال کر پی۔

اُسی وقت میں نے پیچھے سے ایک آواز آئی ''یہ کیسی چائے ہے ؟ کیا مجھے بھی تھوڑی سی مل سکتی ہے؟''میں چونک گئی اور چائے کا تھرماس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں جا گرا البتہ چائے کا کپ میرے ہاتھ میں ہی رہا۔

میں نے مڑ کے دیکھا تو وہاں ایک جوان عورت چہرے پر مسکراہٹ لیے کھڑی تھی۔عمر میں مجھ سے زیادہ نظر آ رہی تھی،شاید میرے اندازے کے مطابق پچیس سال کی ہوگی۔اُس کے چھوٹے بال اور بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔وہ سفید کوٹ پہنے ہوئے تھی مگر لگتا تھا کہ اُسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔پتا نہیں وہ کب سے میرے پیچھے کھڑی تھی۔اُس نے ہنستے ہوئے میٹھی آواز میں کہا۔''یہ اُسی بچوں کی کہانی کی طرح ہوا نا؟ جس میں کتا اپنے عکس کو پانی میں دیکھ کر منہ سے ہڈی چھوڑ دیتا ہے۔''

''اُس کہانی میں۔''میں نے کہا۔''کتا اپنا عکس دیکھتا ہے،کوئی اس کو پیچھے سے آ کر چونکاتا نہیں۔''

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔''میں تمہیں ایک نیا تھرماس خرید کر دینا چاہتی ہوں۔''

''شکریہ''میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔اُس نے اتنے آرام سے بات کی کہ میں اس سے بالکل خوف زدہ نہیں ہوئی۔وہ دیکھنے میں پاگل اور مدہوش بھی نہیں لگتی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک ٹھہراؤ تھا،طمانیت تھی البتہ اس کے چہرے پر گہرے غم اور خوشیوں کے آثار تھے۔اس کے اردگرد خوشیوں بھرا زندگی سے بھرپور ہالہ تھا۔

میں نے اس کو چائے کی پیشکش کی۔''یہ لو،یہ پورا چائے ہے۔''

''یہ تو مجھے بہت پسند ہے۔''اس نے مجھ سے کپ لیتے ہوئے کہا۔''میں کافی دور

سے آئی ہوں، ابھی پہنچی ہوں۔'' اُس کی آنکھوں میں ایک مسافر کے جیسی چمک تھی۔

''لوگ یہ جگہ دیکھنے آتے ہیں۔تم بھی سیر و تفریح کی غرض سے یہاں آئی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں'' بہت جلد اس جگہ ایک عمدہ یادگار منظر دیکھنے کو ملے گا۔ یہ سو سال میں ایک بار دیکھنے کو ملتا ہے۔تم جانتی ہو؟''

''اس منظر میں ایسا کیا دیکھنے کو ملے گا؟''

''اگر موسم بہتر ہوا تو۔''

''مگر ایسا کیا ہے؟''

''میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتی، بعد میں کبھی بتا دوں گی کیونکہ تم نے مجھے چائے پلائی ہے۔'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔سورج کافی اوپر آچکا تھا۔اس کی شعاعیں آسمان پر پوری طرح پھیل چکی تھیں۔

واپس جانے کا وقت ہو گیا تھا۔تو میں نے اس سے اجازت لی۔اُس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''میرا نام اورارا ہے۔تمہارا کیا نام ہے؟''

''ساتسوکی'' میں نے جواب دیا۔

''پھر کبھی دوبارہ ملیں گے۔'' اُورارا نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔میں نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا اور گھر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔مجھے وہ کچھ عجیب اور مختلف سی لگی۔مجھے سمجھ نہیں آیا، وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ہر قدم کے ساتھ میں اُلجھتی چلی گئی۔بھاگتے ہوئے میں نے ایک لمحہ کے لیے پیچھے مڑ کر دیکھا۔اُورارا ابھی تک پُل پر ہی کھڑی تھی۔میں نے اُس کا چہرہ دیکھا۔وہ دریا کی طرف دیکھ رہی تھی۔میں چونک سی گئی۔وہ چہرہ اُس عورت کا نہیں تھا، جس سے میں نے بات کی تھی، اِس کے چہرے پر سختی تھی۔

اُس نے مجھے وہاں کھڑے ہوئے دیکھ کر محسوس کیا تو پھر سے مسکرانے لگ

گئی۔ میں ایک مبہم سے خوف کے زیرِ اثر دوبارہ بھاگنے لگی۔ یہ کیسی عورت تھی، میں کافی دیر تک سوچتی رہی۔ صبح کے وقت کافی دیر تک اُورارا کا تصور میرے ذہن میں گھومتا رہا۔

ہیتوشی کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اُس کے سوچنے کا انداز بالکل مختلف تھا۔ وہ اس طرح کے واقعات پر کہتا تھا ''مزید عجیب وغریب'' وہ ایسے زندگی گزارتا تھا جیسے اس کی سمجھ چیزوں کے لیے کسی اور دنیا میں بنی تھی۔ جس کے بعد وہ اِس دنیا میں پھینک دیا گیا۔ اس کا نام 'ہیراگی' تھا۔ وہ اس مہینے اٹھارہ سال کا ہونے والا تھا۔

میں نے اور ہیراگی نے اسکول کی چھٹی کے بعد ملاقات کے لیے، ایک کافی شاپ کا وقت طے کیا۔ وہ جب آیا تو لڑکیوں کے یونیفارم میں تھا۔ میں دیکھ کر حیران رہ گئی مگر اس نے اتنا فطری انداز اختیار کیا جیسے یہ کوئی عام بات ہو۔ وہ میرے سامنے آ کر بیٹھا اور پوچھنے لگا۔ ''کافی دیر سے انتظار کر رہی ہو؟'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ ہیتوشی سے زیادہ نہیں ملتا تھا مگر کبھی کبھار اُس کا چہرہ اور انگلیاں ایسے ہلتی تھیں کہ مجھے اس کا بھائی یاد آ جاتا اور میرے دل کی دھڑکنیں رکنے لگتیں۔

''اوہو'' میں نے کہا۔

''کیا ہوا؟'' اُس نے پوچھا۔

''تمہیں دیکھ کر مجھے اُس کی یاد آ گئی۔'' میں نے کہا۔

پھر اُس نے کہا۔ میں ہیتوشی بن کے دکھاتا ہوں اور اپنے بھائی کی نقل اُتاری۔ ہم دونوں ہنسے۔ اسی طرح ہم دونوں اپنے دل کے زخموں پہ مرہم رکھتے رہے۔

میں نے صرف اپنے محبوب کو کھویا تھا مگر اُس نے تو اپنا بھائی اور محبوبہ دونوں کو کھو دیا تھا۔ اُس کی محبوبہ یومیکو اس کی ہم عمر، چھوٹی اور خوبصورت لڑکی تھی۔ ہم چاروں کی آپس میں دوستی تھی اور اکثر ساتھ گھوما کرتے تھے۔

جس رات وہ واقعہ ہوا، ہیتوشی یومیکو کو گاڑی میں ریلوے اسٹیشن چھوڑ رہا تھا۔ راستے

میں اُن دونوں کو حادثہ پیش آ گیا۔ غلطی اُن کی نہیں تھی لیکن پھر بھی حادثے کی نوعیت اتنی شدید تھی کہ دونوں موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔

''تم روز پیدل چلتی ہو؟'' ہیراگی نے پوچھا۔

''ہاں''

''تو پھر تم اتنی موٹی کیوں ہو رہی ہو؟''

''کیونکہ میں سارا دن لیٹی رہتی ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ سچ تو یہ ہے میں دن بہ بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

''تمہارے صحت کے لیے اتنا پیدل چلنا اور ورزش ٹھیک نہیں۔'' اُس نے کہا۔ ''لیکن میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ میرے گھر کے نزدیک ایک ہوٹل کھلا ہے جہاں چاولوں کے ساتھ تی متورا ملتا ہے۔ اُس کو کھانے سے موٹاپا ہوتا ہے، ابھی وہاں چلتے ہیں۔

یتوشی اور ہیراگی ایک دوسرے سے مختلف تھے مگر دونوں نرم دل تھے۔ یہ ایسی ہی نرم دلی تھی جس میں آدمی رومال میں گھنٹی باندھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

''ہاں چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ لڑکیوں کا جو یونیفارم ہیراگی پہنے ہوئے تھا۔ وہ یومیکو کا تھا۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو اِس نے یونیفارم پہن کر اسکول جانا شروع کر دیا جبکہ اسکول میں یونیفارم پہننا لازمی نہ تھا۔ دونوں کے والدین نے ہیراگی کو سمجھانے کی کوشش کی تا کہ وہ یونیفارم نہ پہنے اور یہ بھی کہا اگر یومیکو زندہ ہوتی تو وہ اُسے لڑکیوں کے یونیفارم میں دیکھنا پسند نہ کرتی مگر ہیراگی اِن کی باتوں کو مستقل نظر انداز

کرتا رہا۔ میں نے جب ہیراگی سے پوچھا۔وہ یونیفارم کیوں پہنتا ہے۔تو اس نے جواب دیا۔''مجھے اس میں اچھا محسوس ہوتا ہے۔''

''کیا تم یہ ہمیشہ پہنتے رہو گے؟''میں نے پوچھا۔

''پتا نہیں''

''لوگ تمہارے بارے میں کیا کہیں گے؟''

''وہ کچھ بھی کہیں، میں ایسا ہی ہوں۔''ویسے مجھ سے لوگ کافی ہمدردی کر رہے ہیں،لڑکیاں مجھے پسند کر رہی ہیں شاید اس لیے کہ وہ مجھے اسکرٹ میں دیکھ کر یہ سمجھتی ہیں ،میں اُن کے احساسات سمجھ سکتا ہوں۔''

میں ہنسی۔''چلو اچھی بات ہے۔''

ایسا لگ رہا تھا جیسے پوری دکان میں ایک خوشی کا احساس چھا گیا تھا۔

پھر مجھے سمجھ آیا۔اُس کا یہ کپڑے پہننا اور میرا روز صبح سویرے پیدل چلنا،دونوں کا مقصد ایک ہی تھا،اپنی مرتی ہوئی روح کو زندگی دینے کی ایک کوشش۔ہم اپنی سوچ کو بدلنے کے لیے یہ طریقے اختیار کر رہے تھے۔وقت گزرانے کا اس سے بہتر حل کوئی نہیں تھا۔

میں اور ہیراگی ،دونوں نے لاشعوری طور پر اپنے اپنے چہروں پر ایسی خوشی کے تاثرات پہن لیے تھے جو صرف یہ دکھاتے تھے کہ ہم نے جو کھویا ہے،اُس کو سوچنے سے خود کو روک رہے ہیں اگر کبھی ہمیں یاد آجاتی تو ہم ایک دم سے ریزہ ریزہ ہو جاتے اور اپنے آپ کو تنہائی کے اندھیرے میں کھویا ہوا پاتے۔

میں کھڑی ہوئی''اگر میں رات کا کھانا باہر کھاؤں گی تو مجھے فون کر کے گھر پہ بتانا ہو گا،کیا تمہیں باہر کھانا کھانے کی اجازت مل جائے گی؟''

ہیراگی نے کہا۔''ہاں،میرے والد کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے

ہیں۔''

''تمہاری والدہ تو اکیلی ہوں گی، تمہیں گھر جانا چاہیے۔''

''نہیں ٹھیک ہے، میں ان کے لیے باہر سے کچھ کھانے کے لیے لے جاؤں گا، ابھی تو انہوں نے کھانا پکانا شروع بھی نہیں کیا ہوگا۔ اچھا ہے ان کو ایک غیر متوقع ڈنر مل جائے گا۔''

''بہت اچھا خیال ہے۔'' میں نے کہا۔

ایک سرد موسم میں یتوشی نے مجھ سے کہا تھا۔ ''میرا ایک چھوٹا بھائی ہے، اُس کا نام ہیراگی ہے۔'' اُس وقت پہلی مرتبہ میں نے اِس کے بارے میں سنا تھا'' مگر ایک طرح سے وہ مجھ سے بڑا ہے۔'' اُس نے کہا۔

''چھوٹا بھائی اور تم سے بڑا؟'' میں ہنسی۔

''میں تمہیں کیسے بتاؤں، وہ جب اپنے پیروں پر کھڑا ہوتا تو بہت صحیح سوچتا ہے لیکن جب گھر والوں کے ساتھ ہوتا ہے تو بچہ بن جاتا ہے۔''

''اُس کی عمر کیا ہے؟''

''میرے خیال سے تقریباً پندرہ برس کا ہے۔''

''میں اُس سے ملنا چاہوں گی۔''

''خبردار، ہوشیار رہنا! وہ بہت عجیب سا ہے۔ تمہیں ایسا لگے گا کہ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے، اُس سے ملنے کے بعد کہیں تم مجھے پسند کرنا چھوڑ نہ دو۔'' یتوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ اتنا عجیب سا ہے تو کیا تمہیں میری محبت کے پختہ ہونے کا یقین نہیں ہے جو مجھے تم سے ہے؟''

''نہیں'' میں مذاق کر رہا تھا۔ تم دونوں کی دوستی ہو جائے گی کیونکہ تم بھی تھوڑی

عجیب سی ہو۔ ہیتوشی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ایسی باتوں پر مجھے شرم آجاتی تھی۔

مجھے یاد ہے، جب میں بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھی تھی، کالے جوتے اور اسکول کا یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ اسکول کی عمارت بہار کی مہک سے بھری ہوئی تھی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ ہیراگی کا لڑکیوں والا یونیفارم اس کے کوٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا جس سے مجھے اطمینان ملا۔ ہوا ٹھنڈی تھی۔ میں نے اپنی جیب سے دستانے نکال کر پہن لیے۔

تیم پوراوالا ہوٹل میرے گھر سے قریب تھا۔ اس لیے تھوڑا دور چلنا پڑے گا۔'' ہیراگی نے کہا۔

''تو ہمیں پُل عبور کرنا پڑے گا۔'' یہ کہہ کر میں خاموش ہوگئی۔ مجھے اورارا سے ہونے والی ملاقات یاد آگئی۔ میں ہرروز وہاں صبح کی سیر کرنے جاتی تھی مگر میں نے دوبارہ اس کو وہاں نہیں دیکھا۔ میں اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہیراگی نے کہا۔ ''فکر مت کرو، میں تمہیں گاڑی میں گھر چھوڑ دوں گا۔''

''نہیں! یہ بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ابھی اس لمحہ، اس میں ہیتوشی کی بے پناہ شباہت آرہی تھی، اُسے ہیتوشی کی نقل اتارنے کی بھی ضرورت نہیں پڑرہی تھی۔ اُس نے یہ بات بات انتہائی مخلصانہ طور پر کہی تھی مگر اس کی وجہ سے دوافراد کے درمیان موجود فاصلہ تو کم نہیں ہوسکتا تھا۔ اس سے میرے اندر وہ جذبہ جاگ گیا جو ایک ناقابلِ برداشت احساسِ زیاں کی طرح تھا۔

''کچھ دنوں پہلے۔'' میں نے کہا۔

''ایک صبح میں صبح کی سیر کررہی تھی، میں اس پل پر ایک عجیب انسان سے ملی۔''

''عجیب انسان؟''

''کوئی مرد تھا؟'' ہیراگی نے پوچھا۔

''نہیں، وہ ایک عورت تھی۔''

''شاید تمہیں اس سے پھر ملنا چاہیے۔''

یہ سچ تھا کہ میرا دل بلاسبب اورارا سے ملنے کو چاہ رہا تھا۔اُس کے چہرے پر موجود تاثر نے میرے دل کی دھڑکن روک دی تھی۔میرے سامنے وہ مسکرارہی تھی مگر میرے جانے کے بعد اکیلے میں اس کا چہرہ بہت خوفناک ہوگیا تھا جو اپنے انسانی جذبات کو روکنے کی کوشش کررہا تھا۔مجھے ایسا لگتا تھا کہ میری اداسی اُس کی اداسی سے بہت کم ہے یا پھر شاید مجھے ابھی اورزیادہ اداسی جھیلنی ہے۔

ہم ایک ٹریفک سگنل پر رُکے۔یہ وہ جگہ تھی جہاں ہیتوشی اور یومیکو کو حادثہ پیش آیا تھا۔لال بتی کو دیکھ کر میں اور ہیراگی رُک گئے۔

''کیا یہاں بھوت تو نہیں ہوتے ؟''ہیراگی نے مسکراتے ہوئے کہا مگر اُس کی آنکھیں مسکرانہیں رہی تھیں۔

ٹریفک سگنل کھلا اور گاڑیاں چلنا شروع ہوگئیں۔ہیتوشی یہاں پر مرا تھا۔ایسی جگہ جہاں محبوب مرجائے ،وہاں وقت بھی مرجاتا ہے۔ہمیشہ کے لیے رُک جاتا ہے۔میں اگر اُس کی جگہ کھڑی ہوں تو کیا مجھے اس کا درد محسوس ہوسکے گا؟ کہاجاتا ہے کسی پرانے محل یا گھر میں جائیں تو وہاں گزرے ہوئے لوگوں کو اور رہنے والوں کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔پہلے مجھے یہ باتیں سمجھ نہیں آتی تھیں لیکن اب مجھے اندازہ ہے، یہ کیا احساس ہوتا ہے۔

یہ سگنل، یہاں کی عمارتیں،ان کے رنگ و روغن،دکانوں کی قطاریں،ہیتوشی کی آخری نشانیاں تھیں۔وہ کتنا ڈرا ہوا تھا۔کیا اُس نے میرے بارے میں سوچا ہوگا،ایک لمحہ کے لیے بھی کیا اُس وقت چاند آسمان پر اسی رخ میں ہوگا جیسے ابھی ہے۔

میں غیر حاضر تھی اور دماغی طور پر چاند کو دیکھ رہی تھی۔چھوٹی سی سفید روشنی جو اُس میں سے پھوٹ رہی تھی۔وہ بہت خوبصورت اورٹھنڈی تھی،جیسے موتی۔

''کتنا مزے کا یہ۔''میں نے کہا۔چاول اور تیم پورا جو ہم کھارہے تھے،اتنا اچھا تھا

کہ میری بھوک جاگ گئی۔''اتنا مزے کا ہے، میں اپنے زندہ ہونے کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو مجھے یہ کھانے کو مل گیا۔''میں نے کہا۔

''ہاں مجھے یقین تھا ،تم یہی کہوں گی۔ مجھے خوشی ہوئی ،تمہیں پسند آیا۔'' یہ کہنے کے بعد ہیراگی نے اپنی امی کے لیے کھانا پارسل کروایا۔

کھانے کا پیالہ میرے سامنے تھا اور میں سوچ رہی تھی،شاید اس اندھیرے میں مزید ڈوبتی جاؤں گی مگر میرے پاس اورکوئی راستہ بھی تونہیں ہے۔مجھے ایسی ہی زندگی گزارنی ہوگی مگر میں چاہتی ہوں کہ ابھی اِس وقت یہ لڑکا مسکراتا رہے،جیسے یہ ہر وقت مسکراتا ہے مگر اِس یونیفارم کے بغیر جواس نے پہن رکھا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا، یکدم فون کی گھنٹی بجی۔ مجھے نزلہ ہوگیا تھامیں بستر پر پڑی تھی، صبح کی سیرکوبھی نہیں جاسکتی تھی۔نیم غنودگی میں بستر سے اُٹھی اور جا کرفون اٹھایا۔

''ہیلو،ساتسوکی ہیں؟''کسی انجان عورت کی آواز تھی۔

''بات کررہی ہوں۔''میں نے کہا۔

''میں ہوں۔اُس نے کہا۔''اورارا''میں چونک گئی۔اُس کو میرانمبر کہاں سے ملا۔

''اس طرح اچانک فون کرنے پر معذرت ،اگرتمہارے پاس ابھی فرصت ہے تو مجھے کہیں باہرملو،ایسا ممکن ہے؟''

''ٹھیک ہے مگر کیوں؟اورتمہیں میرا نمبر کیسے ملا؟میں نے کہا۔اس کی آواز گاڑیوں کے شور کے ساتھ آرہی تھی،ایسا لگ رہاتھا کہ وہ کسی فون بوتھ سے مجھے فون کررہی تھی۔

''میں اپنے آپ سے کہتی ہوں، مجھے فلاں کا نمبر چاہیے اوروہ نمبر میرے ذہن میں آجاتا ہے۔''اُرورانے ایسے کہا جیسے کوئی منتر پڑھ رہی ہو۔

''مجھے اسٹیشن کے سامنے والی عمارت کی پانچویں منزل پہ ملنا جہاں تھرماس کی

دکان ہے۔'' یہ کہہ کر اُس نے فون رکھ دیا۔ میں عام طور پر اس حالت میں کبھی گھر سے باہر نہیں جاتی تھی، مجھے بستر پر آرام کرنا چاہیے تھا مگر میں تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود کو اس بات پر آمادہ کر لیا، میں اُس سے جا کر ملوں۔

آج اس بات کو سوچتے ہوئے مجھے ادراک ہوتا ہے۔ تقدیر ایک سیڑھی ہے جس کا ایک بھی زینہ اس وقت چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ ایک بھی منظر کو زندگی سے نکال دینے کا مطلب میں کبھی منزل پر پہنچ نہیں پاؤں گی جبکہ اوپر پہنچنا آسان تھا۔ جس بات نے مجھے مجبور کیا، وہ میرے ادھورے مردہ دل کے اندر ایک چھوٹی سی روشنی تھی جو اندھیرے میں جل رہی تھی جس کے بغیر میں سکون سے سو بھی نہیں سکتی تھی۔

میں نے گرم کپڑے پہنے۔ اپنی موٹر سائیکل پہ بیٹھی۔ سورج کی روشنی گرم تھی۔ ہوا ہلکی تھی اور نرمی سے چہرے کو چھو رہی تھی۔ درختوں سے چھوٹے چھوٹے پتے نکلنا شروع ہو گئے تھے اور شہر کے پیچھے ایک نیلی دھند چھائی ہوئی تھی۔

اس تمام خوبصورتی کو دیکھ کر مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔ بہار میرے دل میں نہیں اُتر سکتی تھی صرف سطح پر منعکس ہوتی تھی جیسے پانی کی سطح پر بلبلے۔ سڑکوں پر ہر کوئی خوش گوار چہرہ لیے جا رہا تھا۔ سب کچھ متحرک تھا اور چمک رہا تھا مگر میری روح سردیوں کی تنہا گلیوں میں بین کر رہی تھی طلوع آفتاب کے وقت دریا کے کنارے پر جانے کے لیے۔ کاش میرا دل ٹوٹ جاتا تا کہ مجھے کچھ محسوس نہ ہوتا۔

وہاں اورارا کھڑی تھی گلابی سویٹر پہنے اور ابھی وہ میری ہم عمر لگ رہی تھی۔

''کیسی ہو؟'' میں نے پوچھا۔ جب میں قریب آئی تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

''تمہیں زکام ہے؟'' اُس نے کہا۔

''معذرت! مجھے پتا نہیں تھا ورنہ میں تمہیں نہ بلواتی۔''

میں مسکرائی۔ ''میرا زکام تو اتنا واضح ہے۔''

''ہاں تمہارا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ چلو جلدی سے تھرماس دیکھ لیتے ہیں تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے، تمہیں کیسا تھرماس چاہیے۔'' اُس نے جلدی سے وہاں رکھے ہوئے تھرماسوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ اُس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوئی۔ ''وہ سفید چھوٹا والا'' میں نے خوشی سے ایک چھوٹے سے تھرماس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بہت عمدہ انتخاب ہے۔'' اورارا نے کہا اور میرے لیے خرید لیا۔

ہم دونوں ایک چائے کی دکان پر گئے اور ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے لگے تو اورارا نے کہا۔ ''میں تمہارے لیے یہ بھی لائی ہوں۔'' اُس نے ایک چھوٹا پیکٹ اپنی جیب سے نکالا پھر ایک اور، مزید کچھ اور پیکٹ نکالے۔ میں دیکھتی رہی۔

''ایک چائے والے نے مجھے دیے تھے، ان میں مختلف اقسام کی چائے کی پتی ہے، اس پتی کی چائے تم گھر پر بنا کے پی سکتی ہو۔''

''بہت شکریہ'' میں نے کہا۔

''کوئی مسئلہ نہیں، میری بھی تو غلطی تھی جس کی وجہ سے تمہارا تھرماس دریا میں گر گیا۔'' دوپہر صاف اور چمکدار تھی۔ روشنی اتنی واضح تھی کہ میرے دل میں درد ہونے لگا۔ موسم اتنا اچھا تھا، میں اپنی فکروں سے تھوڑی دیر کے لیے آزاد ہوگئی صرف نزلہ تھا جس کو میں بھلا نہیں سکی تھی۔

''ویسے تمہیں میرا فون نمبر کیسے ملا؟'' میں نے پوچھا۔

وہ مسکرائی۔ ''میں نے بتایا تو تھا، وہی بات سچ ہے۔ میں کافی عرصے سے اکیلی ہوں، جگہ جگہ سفر کرتی ہوں، اس لیے میرے اندر یہ صلاحیتیں پیدا ہوگئی ہیں، میں چیزوں کو ڈھونڈ لیتی ہوں۔ میں نے سوچا ساتسوکی کا نمبر کیا ہوگا اور جب میں نے ملایا تو وہ

بالکل درست تھا۔"
میں اس کی بات کا یقین کرنا چاہتی تھی کیونکہ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں اس کو بہت پہلے سے جانتی تھی۔ اُس سے مل کر مجھے خوشی کے آنسو بہانے کو دل چاہتا تھا۔

"آج کے دن کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، تم نے مجھے خوش کر دیا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر پرسوں تک اپنا زکام ٹھیک کرلو۔"

"کیوں؟" کیا وہ واقعہ پرسوں رونما ہونے والا ہے، جس کا تم نے مجھ سے ذکر کیا تھا؟"

"ہاں" مگر تم کسی سے اس کا ذکر مت کرنا۔" اورارا نے اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا۔ "پرسوں صبح چار بج کر ستاون منٹ پر اُسی جگہ آجانا، جہاں ہم ملے تھے اگر سب کچھ صحیح رہا تو تم وہ واقعہ رونما ہوتے دیکھوگی۔"

"وہ واقعہ ہے کیا؟" میں اپنے تجسس کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔

"نظر نہ آنے والا، کچھ تو ہے مگر کوئی ضمانت نہیں۔ میرے وجدان کے مطابق تمہارے اور اس دریا کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ اس لیے مجھے لگتا ہے، تم اسے دیکھ سکوگی۔ ایک قابلِ دید منظر ہوگا۔ یہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے، شاید تم دیکھ سکو۔"

اس کی بات سے مجھ پر کچھ واضح نہ ہوسکا مگر میں یہ سب باتیں سن کر بہت جذباتی ہوگئی تھی کیونکہ میں کافی عرصے سے ان احساسات سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔

"کیا وہ اچھا نظارہ ہوگا؟"

"صرف اچھا نہیں بلکہ نایاب اور ایسا جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی مگر یہ تم پر منحصر ہے۔"

یہ مجھ پر منحصر ہے جبکہ میں اس وقت اتنی کمزور اور بے یارومددگار ہوں۔

"ٹھیک ہے" میں نے کہا۔ "میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

میرے اور دریا کے بیچ ایک تعلق تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا مگر ذہن ایک زوردار "ہاں" کہہ رہا تھا۔ وہ دریا میرے اور ہیتوشی کے ملک کے درمیان سرحد تھا۔ میں جب بھی اُس پُل کا سوچتی تو مجھے اس پر ہیتوشی کھڑا ہوا نظر آتا۔ وہ ہمیشہ وہاں مجھ سے پہلے پہنچ جایا کرتا۔ جب ہم بچھڑتے تو پل کی ایک طرف وہ اور دوسری طرف میں جاتی۔ آخری مرتبہ بھی ہم ایسے ہی بچھڑے تھے۔

میں نے کہا تھا۔ "تم ابھی تاکاہاشی کے گھر جاؤ گے؟" اُس وقت میں خوش تھی اور صحت مند بھی، اب میں ایسی نہیں رہی۔

"ہاں پہلے میں گھر جاؤں گا پھر ہم سب دوست وہاں جمع ہوں گے۔"

"اُن کو میرا اسلام کہنا۔"

ہم نے پورا دن خوشی سے بھرپور گزارا۔ ہنستے، مذاق کرتے گھر واپس آئے۔ سرد رات تھی جو ستاروں کی روشنی میں رنگی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھ جینز کی جیب میں تھے۔

"اوہو" اُس نے کہا۔ جیسے اس کو ایکدم کچھ یاد آ گیا ہو۔

"ہم دوست تمہارے بارے میں کچھ برا نہیں کہتے۔"

مجھے یہ سن کر ہنسی آئی اور میں نے اپنے مفلر کو منہ پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی۔ میں سوچتی تھی، ایک دوسرے سے چار سال تک محبت کرتے رہنے کا احساس کتنا خوشگوار ہے۔ وہ والی لڑکی مجھ سے کتنی کم عمر تھی، کچھ نہیں دس سال تو کم ہوگی۔

وہ پُل جہاں ہم ایک دوسرے سے مل کر بچھڑے، مجھے یاد ہے آخری مرتبہ جب ہم

وہاں ملے تھے تو دریا کی لہروں کا شور تھا۔ٹھنڈی ہوا میرے چہرے پر تھپیڑوں کی صورت لگ رہی تھی۔ستاروں بھرے آسمان کے نیچے ہم نے ایک دوسرے کا بوسہ لیا، یہ سوچتے ہوئے کہ سردیوں کی وہ چھٹیاں کتنی مزیدار تھیں۔اسی سوچ کے ساتھ مسکراتے ہوئے ہم بچھڑ گئے۔اُس گھنٹی کی آواز رات میں کھوگئی، مجھے اور ہیتوشی کو اس کی آواز بہت پسند تھی۔

ہم دونوں کی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں۔ہم دونوں محبت اور آرزو کی کشمکش میں اذیت سے بھی گزرتے تھے۔ہم بچوں کی طرح ایک دوسرے کا کئی بار دل بھی دُکھا دیتے تھے۔ہم ہر وقت خوش نہیں رہتے تھے،ساتھ رہنا کبھی کبھار تکلیف دہ بھی ہوجاتا تھا پھر بھی یہ چار سال بہت اچھے تھے اور وہ آخری دن کتنا اچھا تھا،اُس دن کے ختم ہونے سے ڈر لگتا تھا۔اُس خوبصورت دن کے بارے میں مجھے جو بات ابھی تک یاد ہے۔وہ ہیتوشی کی کالی جیکٹ تھی۔

اس لمحہ کو میں یاد کر کے بار بار روتی تھی۔میں خواب میں اپنے آپ کو اُس پل کو پار کرتا ہوا دیکھتی اور خود کو اُس کے پیچھے بھاگتا ہوا دیکھتی تھی۔''مت جاؤ'' اُس خواب میں ہیتوشی رُک کے مسکراتا اور کہتا۔''میں نہیں مرا کیونکہ تم نے مجھے روک لیا۔''

کبھی کبھار مجھے ایسی یاد دن میں بھی آجاتی اور میں اپنے آنسو ہجوم میں ہوتے ہوئے روکنے کی کوشش کرتی مگر اس سے مجھے کیا فائدہ ہوا۔وہ مجھ سے دور ہوتا چلا گیا۔میرا یوں جذبات کو روکنا اِس احساس کو اور تلخ کر دیتا ہے۔

جب میں اورارا سے بات کر کے واپس آئی۔وہ ''ایک منظر'' جو میں دیکھ سکوں گی، یہ بات میرے لیے آدھا لطیفہ اور آدھی امید تھی،شاید وہ مجھ سے عجیب سا جھوٹ بول رہی تھی مگر میں نے سوچا صبح سویرے اگر میرے ساتھ ایسا کوئی مذاق ہوجائے تو مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔اُس نے میرے دل کو ایک قوس وقزح دکھائی۔ مجھے یہ باور کروایا، میں ابھی بھی کسی اجنبی احساس کے بارے میں جذباتی ہوسکتی ہوں۔میرے دل

میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی اگر کچھ بھی نہ ہو،ہم دونوں اگر ساتھ کھڑی ہوکر صرف دریا کو بھی دیکھتی رہیں تو اچھا لگے گا۔ یہ احساس بھی میرے لیے کافی ہوگا۔

میں یہی سوچتے ہوئے تھرماس ہاتھ میں لے کر اپنی بائیک کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے ہیرا گی نظر آ گیا،وہ گھر کے کپڑوں میں تھا۔اسکول سے کلاس چھوڑ کر گھومنے پھرنے نکلا ہوگا۔زکام نے میری توانائی کو خاصا کم کردیا تھا۔اُس کو آواز دینے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔وہ میرے آگے آگے چلتا رہا۔اُس نے مجھے نہیں دیکھا۔میں اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔وہ تیز چلتا تھا اور میں تیز نہ چل سکی،اس لیے پیچھے رہ گئی۔

میں کھڑے ہوکر ہیرا گی کو دیکھتی رہی،شاید اس لیے وہ لڑکیوں میں مقبول تھا۔ایسا بہت کم ہوتا ہے کوئی بھائی اور محبوبہ ایک ساتھ کھودے۔میں بھی شاید اسکول جاتی ہوئی کوئی لڑکی ہوتی تو اس سے محبت کرنے لگتی،اس میں دوبارہ زندگی کی رمق جگانے کی کوشش کرتی۔اس عمر کی لڑکیوں کے لیے یہ سب کچھ بہت باعثِ کشش ہوتا ہے۔

میں اگر اُس کا نام پکار سکتی تو مجھے وہ مڑ کر دیکھتا اور مسکراتا لیکن مجھے لگا،اس کے لیے اب کوئی کچھ نہیں کرسکتا یا شاید میں بہت تھک گئی تھی۔میں صرف یہ چاہتی تھی،میں ان سب کیفیات سے جتنی جلدی ہو،نکل جاؤں اور اس مرحلے میں داخل ہوجاؤں ،جہاں یادیں محض یادیں ہوتی ہیں مگر مستقبل کا سوچ کر مجھے خوف آتا۔

پھر ایک دم سے ہیرا گی رُک گیا تو میں بھی رُکی۔میں اس کی طرف بڑھی اور اس کا نام پکارنے ہی والی تھی،میں نے دیکھا،وہ کیا دیکھ رہا ہے تو یہ دیکھ کر میں سکتے میں آ گئی۔

وہ ٹینس کی دکان کی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔میں سمجھ گئی،اس کے چہرے پر ایک خالی پن کا تاثر تھا۔یہ ایک ایسا احساس ہوتا ہے جو اس کی زیر اثر ہوتا ہے،وہ نہیں جانتا لیکن اُس کو دیکھنے والا متاثر ہو رہا ہوتا ہے۔

وہ بہار کی روشنی میں ہجوم کے بیچ کھڑا ٹینس کے سامان والی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا،ان

چیزوں کو دیکھ کر متاثر ہو رہا تھا کیونکہ اُس کی محبوبہ ٹینس کھیلا کرتی تھی۔ مجھے بھی ہیرا گی کے ساتھ رہ کر یہ احساس ہونے لگا تھا۔اس کو دیکھ کر مجھے ہیتوشی کی یاد آتی تھی۔ یہ سب کچھ بہت تکلیف دہ تھا۔

میں نے ایک مرتبہ یومیکو کو ٹینس کھیلتے ہوئے دیکھا تھا۔یومیکو کے ساتھ ہیرا گی ایک خواب کی سی کیفیت میں ہوتا،بظاہر تو وہ ہیرا گی ہوتا مگر اندر سے یومیکو کی وجہ سے اس کی روح میں ایک ٹھہراؤ سا ہوتا۔طاقت کے مقابلے میں صرف یومیکو ہی اُس کو شکست دے سکتی تھی۔

موسم گرما آچکا تھا۔میں ہیتوشی اور ہیرا گی یومیکو کا میچ دیکھنے گئے۔دھوپ بہت تیز تھی۔ ہمارے حلق خشک تھے۔اس میں کوئی شک نہیں تھا،وہ بہت اچھا کھیلتی تھی۔ پورے جوش اور توجہ سے کھیلتی تھی۔تب مجھے پتا چلا وہ اندر سے کتنی مضبوط تھی۔اُس کے چہرے پر واضح تاثر تھا،اُسے صرف اور صرف یہی کھیل کھیلنا ہے۔

ہم چاروں کو بہت مزا آتا تھا،وہ مجھ سے کہتی تھی۔

''ساتسوکی،ہم چاروں کو ہمیشہ ساتھ رہنا چاہیے۔اس لیے تم دونوں کبھی اپنا تعلق نہ توڑنا۔''اس پہ میں مسکرائی۔''ہم دونوں ایسا کچھ نہیں کریں گے۔''وہ بھی ہنس کر کہتی۔''ہم بھی ایسا کچھ نہیں کریں گے۔''

اور پھر وہی ہوگیا،جس کا ڈر تھا۔کتنا ہولناک تھا۔

لڑکوں میں درد کو محسوس کرنے کی شدت اتنی نہیں تھی مگر پھر بھی ہیرا گی کی آنکھیں ایک ہی بات کہہ رہی تھیں،وہ جو خود اپنی زبان سے نہیں کہتا تھا۔اُس کا کہنا اُس کا پچھتاوا بن جائے گا،وہ بات یہ تھی''میں چاہتا ہوں،وہ واپس آجائے۔''

یہ خواہش سے زیادہ ایک دعا تھی۔مجھ سے برداشت نہ ہوا۔کیا میں بھی دریا کو ایسے ہی دیکھ سکتی تھی،کیا اس لیے اورارا نے مجھ سے بات کی۔میں بھی یہی چاہتی تھی

ہیتوشی واپس آجائے۔

مجھے پتا تھا۔میں ہیراگی کو نہیں بتاؤں گی ،میں نے اُسے کس حال میں دیکھا کیونکہ میں اس سے مل کر خوشی کی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔اسی لیے میں اس وقت بغیر آواز دیے اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔میرا بخار تیز ہو چکا تھا۔میری امی ہنستے ہوئے پوچھنے لگیں ''یہ ذہنی بخار تو نہیں؟شاید یہ وہی تھا،شاید میری اداس سوچیں زہر کی طرح میرے جسم میں پھیل رہی تھیں۔

اُس رات ہمیشہ کی طرح میں ہیتوشی کے خواب دیکھتے ہوئے اٹھی۔جب میری آنکھ کھلی ،طلوع آفتاب کا وقت تھا مگر سردی بہت تھی۔میرا جسم بالکل بے جان محسوس ہو رہا تھا،میں کانپ رہی تھی۔میں نے آنکھیں کھولیں۔مجھے ایسا لگ رہا تھا،میں کسی بہت بڑی چیز سے لڑ رہی ہوں پھر میں سوچنے لگی،کہیں میں خود شکست خوردہ تو نہیں ہو رہی۔ہیتوشی کو کھو کر میں بہت دکھی تھی۔

جب ہم ایک دوسرے کی بانہوں میں ہوتے تھے،جب میں جانتی تھی،کچھ ایسا ہوتا تھا جس کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔یہ سوچ کر میرا دل ڈر جاتا تھا۔میں محسوس کرتی تھی جس تاریک مایوسی سے لوگ ڈرتے تھے،میں اس کی حدوں کو چھو آئی تھی۔میں تنہا تھی،سوچتی تھی کسی طرح اپنے آپ سے نکل آؤں تو صبح ہو جائے گی پھر میں دوبارہ خوش ہو سکتی ہوں۔کاش سورج نکل آئے،صبح ہو جائے۔

جب پہلے کوئی مصیبت آتی تھی ،میں اپنے پیروں پر کھڑی رہتی تھی مگر اب میں صرف پچھتا سکتی ہوں۔وقت ایسے ہی گزر رہا تھا جیسے میں کانچ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں پر چل رہی ہوں۔

میں سُستی سے اٹھی اور کچن میں جا کر چائے بنائی،سب سو رہے تھے۔چائے سے کچھ افاقہ ہوا۔میں بستر پر جا کر بیٹھ گئی اور کھڑکیوں سے پردے ہٹائے۔

میرے کمرے کے دروازے سے باغ کا اچھا نظارہ ہوتا تھا۔ پھول اور درخت صبح کی ہوا میں لہلا رہے ہوتے تھے۔ بہت خوبصورت لگتے تھے۔ان دنوں مجھے احساس ہوا،صبح کے وقت نیلی ہوا ہر چیز کو خالی دکھاتی۔میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، مجھے ایک شخص کا سایہ گھر کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیا۔وہ اوراراتھی۔اُس نے مجھے دیکھااور کھڑے کھڑے مجھ سے پوچھا۔

''کیا میں اندر آسکتی ہوں؟''میں نے''ہاں''میں سر ہلایااوراپنی کھڑکی کھولی۔

''بہت سردی ہے۔''اُس نے کہا۔باہر سے برف جیسی ہوا آئی۔

''کیا بات ہے''میں نے پوچھا۔

''میں گھر جارہی تھی،تمہارا زکام اور بھی بڑھ گیا ہے۔یہ لو وٹامن سی کی گولی کھاؤ۔''اُس نے گولی مجھے دی۔

''تم میرے ساتھ اتنی نرم دل اوراچھی کیوں ہو؟''میں نے پوچھا۔''تمہیں تیز بخار بھی ہے۔''اُس نے کہا۔میں نے ''ہاں'' کہا۔''آج میں صبح کی سیر پہ بھی نہ جاسکی۔''

''بخار میں''اُس نے اپنی آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا۔''سب سے مشکل وقت ہوتا ہے،شاید مرنے سے بھی مشکل۔تم شاید اگلی بار بخار سے ڈرنے لگومگر اس بخار کی شدت اس سے زیادہ نہیں ہوگی اگرتم اپنے آپ کو سنبھالے رکھواور معاملہ اتنا خراب بھی نہیں ہوگا۔زندگی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔تم منفی سوچ کے خوف میں رہ سکتی ہو،پوچھ سکتی ہو،یہ دوبارہ تو نہیں ہوگا مگر تم اس کو قبول کرلوزندگی کے ایک حصہ کی طرح پھر تمہیں اتنا دکھ نہیں ہوگا۔''

یہ کہہ کراُس نے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور مسکرادی۔میں خاموش رہی۔وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی؟بخار کی وجہ سے اور سورج کے طلوع ہونے سے صبح میں نیلا پن تھااور مجھے

رتجگے کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

''چلو کل ملتے ہیں۔'' اورارا نے مسکراتے ہوئے کھڑکی بند کی اور گیٹ سے باہر چلی گئی۔

خواب میں تیرتے ہوئے میں نے اُس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا۔وہ مجھ سے ایک طویل رات کے بعد ملنے آئی تھی۔میرا دل چاہ رہا تھا میں خوشی کے آنسو بہاؤں۔میں اُس سے کہنا چاہتی تھی۔''میں کتنی خوش ہوں،تم نیلی دھند کی طرح میرے پاس آئیں۔اب میرے اردگرد سب کچھ تھوڑا بہتر ہو جائے گا۔'' آخرکار مجھے نیند آ گئی۔

جب میں بیدار ہوئی تو میرا زکام کچھ بہتر تھا۔میں شام تک سوتی رہی۔بخار بھی ہلکا ہو گیا تھا۔تھکاوٹ کے علاوہ میں بہتر محسوس کر رہی تھی۔میں سوچنے لگی،اورارا واقعی مجھ سے ملنے آئی تھی،کیا وہ صرف بخار کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

آئینے میں میرے چہرے پر ایک تاریک سایہ تھا۔میں سوچنے لگی اس کا مطلب یہ ہے ابھی اور بھی بُری راتیں آنے والی ہیں۔میں بہت تھکی ہوئی تھی،اس لیے مزید میں اس کے بارے میں سوچ نہ سکی۔میں پچھلے دن سے بہتر سانس لے پا رہی تھی مگر یہ سوچ مجھے بیزار کر رہی تھی کہ ابھی مزید تنہا راتیں آئیں گی۔

یہ سوچنا کہ یہ دوبارہ آئیں گی،خود کو دہرائیں گی اور یہ زندگی ایسی ہے۔اس خوف سے میں کپکپائی۔

میں نے اپنے آپ کو مسکرانے پر مجبور کیا۔اُسی وقت کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''اندر آ جائیں'' میں نے کہا۔جب دروازہ کھلا تو میں حیران رہ گئی۔وہ ہیراگی تھا۔

''تمہاری امی نے تم کو آوازیں دیں مگر تمہاری طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔''

''میں بال خشک کر رہی تھی، مشین کے شور میں آواز نہیں آئی۔''

''میں نے جب فون کیا تو تمہاری امی نے بتایا، تمہیں بخار ہے۔'' میں نے سوچا تمہاری عیادت کرلوں۔ وہ تکیہ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میں بھول ہی گئی تھی، ہم دونوں ایک دوسرے کو کتنی اچھی طرح جانتے ہیں۔

''میں تمہارے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔'' ہیراگی نے ہنستے ہوئے مجھے ایک بڑا سا تھیلا پکڑایا۔ وہ اتنی دور سے یہ سوچ کر آیا تھا، میں بیمار تھی۔ اس لیے میں اُس کو اب نہ بتا سکی کہ میں پہلے سے بہتر ہوں۔ ''کے ایف سی کا چکن سینڈوچ ہے، مجھے پتا ہے تمہیں بہت پسند ہے اور کولڈ ڈرنک بھی ہے۔ میں اپنے لیے بھی لایا ہوں، چلو کھاتے ہیں۔''

وہ مجھ سے ایسا برتاؤ کر رہا تھا جیسے میں شیشے کی بنی ہوئی ہوں، مجھے اس بات پر شرمندگی ہونے لگی۔ اُس روشن کمرے میں بیٹھ کر ہم دونوں نے وہ کھانا کھایا تو مجھے احساس ہوا، میں کتنی بھوکی تھی۔

''ساتسوکی''

''کیا ہوا؟'' میں نے اُس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں تنہائی میں اپنے آپ کو دُکھ نہیں دینا چاہیے، تم کمزور ہوتی جارہی ہو اور اب تمہیں بخار بھی ہوگیا ہے۔ جب تم ایسا محسوس کرو تو مجھے فون کرلیا کرو۔ ہم دونوں ملاقات کرلیا کریں گے، کہیں گھومنے پھرنے چلے جایا کریں گے۔ میں جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں، تم مزید کمزور لگتی ہو اور ایسا ظاہر کرتی ہو جیسے سب کچھ ٹھیک ہے۔ مجھے پتا ہے، تم اور ہیتوشی ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے، اس لیے مجھے ڈر ہے تم اداسی سے مر نہ جاؤ۔''

اُس نے کبھی اس طرح کی بات نہیں کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا، اس نے اس طرح کے احساسات کا اظہار کیا تھا۔ مجھ سے ایسی ہمدردی کی جیسے کسی چھوٹے بچے سے کی جاتی

ہے پھر مجھے یاد آیا، ہیتوشی نے کہا تھا، ہیراگی ہے تو بہت ذہین مگر خاندان کے معاملات میں بالکل بچہ بن جاتا ہے۔ میں مسکرائی۔ اب مجھے سمجھ آیا، ہیتوشی کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں، میں بچہ ہوں، جب میں لڑکیوں والا یونیفارم اتارتا ہوں تو میں خود کو اتنا تنہا محسوس کرتا ہوں کہ مجھے رونا آجاتا ہے مگر ہم سب مشکل میں بہن بھائی ہیں۔ مجھے تمہاری بہت فکر رہتی ہے، میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''

اُس نے یہ سب کچھ اتنے پُرخلوص لب و لہجے میں کہا۔ میں جانتی تھی اُس کی نیت صاف اور جذبہ محترم تھا۔ میں مسکرائی اور پھر میں نے کہا۔'' آج سے میں ایسا ہی کروں گی، میں تمہیں فون بھی کیا کروں گی۔ شکریہ، شکریہ بہت بہت شکریہ۔''

جب ہیراگی چلا گیا تو میں پھر سوگئی۔ وہ ایک ایسی نیند تھی جو مجھے یاد ہے، آخری مرتبہ بچپن میں آئی تھی۔ جب میں جاگوں گی تو اورارا کے پاس جاؤں گی، وہ دریا پر میرا انتظار کررہی ہوگی، وہاں جا کر وہ واقعہ، وہ منظر دیکھوں گی۔

سورج نکلنے سے ذرا پہلے کا وقت تھا۔ میری طبیعت پوری طرح بہتر نہیں ہوئی تھی مگر میں تیار ہوئی اور صبح کی سیر کو نکل گئی۔ وہ ایسی جمی ہوئی صبح تھی جس میں چاند کا سایہ آسمان پر چپکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ میرے قدموں کی آہٹ خاموش نیلی ہوا میں گونجتے ہوئے گلیوں کے خالی پن میں کھوگئی۔

اورارا پُل پر کھڑی تھی جب میں وہاں پہنچی۔ اُس کے ہاتھ اُس کی جیبوں میں تھے اور اُس کا چہرہ مفلر میں ڈھکا ہوا تھا لیکن اُس کی چمکتی ہوئی آنکھیں ظاہر کرتی تھیں، وہ مسکرارہی ہے۔ ''صبح بخیر'' اُس نے کہا۔

نیلے آسمان پر آخری چند ستارے جگمگائے۔نظارہ بہت خوبصورت تھا۔دریا تیزی سے بہہ رہا تھا۔ہوا صاف تھی۔

''آسمان اتنا نیلا ہورہا ہے لگتا ہے تمہارے جسم میں اُتر کر پگھل جائے گا۔''اورارا نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ہوا میں لہلاتے ہوئے درختوں کی قطار دکھائی دے رہی تھی۔ایسا لگتا تھا،آسمان چل پڑا ہے۔چاند آدھے اندھیرے میں چمک رہا تھا۔

''وقت آ گیا ہے۔''اورارا کی آواز میں پریشانی تھی۔''تیار ہو،اب جو ہونے والا ہے،اس میں وقت اور فاصلہ اور سب چیزیں حرکت میں آجائیں گی،تم اور میں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پائیں گے،شاید دریا کے پار بھی ایک ہی چیز نہیں دیکھ سکیں گے،تم کچھ اور دیکھو گی اور میں کچھ اور۔تمہیں کچھ بھی نہیں کہنا ہوگا صرف خاموشی اختیار کرنی ہے۔پُل کو بھی عبور کرنے کی کوشش نہیں کرنا،سمجھ گئیں؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔''سمجھ گئی''

پھر ہم خاموش ہو گئے صرف دریا کی آواز آرہی تھی،اورارا،میں دریا کے پار دیکھنے لگے۔میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا،ٹانگیں کانپ رہی تھیں،سورج آہستہ آہستہ اوپر آرہا تھا،آسمان ہلکا نیلا ہو گیا تھا،چڑیوں کے گانے کی آوازیں آنے لگیں۔

مجھے لگا میں نے کہیں دور سے آتی ہوئی ہلکی سی آواز سنی۔میں نے چونک کر اس طرف دیکھا کیونکہ اورارا وہاں نہیں تھی۔دریا،میں اور آسمان،دریا اور ہوا کی آواز کے ساتھ یکجا ہو گئے تھے اور میں نے وہ سنا جو میں بہت زیادہ شدت اور چاہت کے ساتھ سننا چاہتی تھی۔

ایک گھنٹی کی آواز۔۔۔اس میں کوئی شک نہیں تھا،وہ ہیتوشی تھا۔وہ آواز کہیں ایسی جگہ سے آرہی تھی جہاں کوئی نہیں تھا۔میں نے آواز کو پہچاننے کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں،جب میں نے آنکھیں کھولیں اور دریا کے پار دیکھا تو مجھے ایسا لگا،میں پاگل

ہوگئی ہوں۔ میں تقریباً پھوٹ پھوٹ کر رونے والی تھی۔

وہاں ہیتوشی کھڑا تھا۔

اگر تو یہ خواب نہیں تھا اور میں پاگل نہیں ہوئی تھی تو وہاں دریا پار میرے سامنے ہیتوشی ہی کھڑا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان پانی تھا۔ میرا دل بھر آیا۔ میں نے غور سے اُس کی ساخت کو دیکھا۔ وہ وہی تصویر تھی جو میں ہر وقت اپنے دل میں رکھتی تھی۔

وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر فکر کا تاثر تھا، یہ اُس وقت ہوتا جب اُس سے کوئی غلطی ہو جاتی۔ اُس کے ہاتھ اُس کی جیبوں میں تھے، اُس کی آنکھیں میری آنکھوں سے ملی ہوئی تھیں۔ میں نے جو عرصہ اُس کی بانہوں میں گزارا تھا، وہ بہت قریب اور کبھی بہت دور لگ رہا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے صرف ڈوبتا ہوا چاند ہم دونوں کے بیچ کا اذیت ناک فاصلہ دیکھ سکتا تھا۔ میرے بال، ہیتوشی کی قمیض کا کالر، دریا کی ہوا کے ساتھ ایسے لہرا رہے تھے جیسے یہ سب کچھ کسی خواب کا حصہ ہو۔

ہیتوشی کیا تم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو؟ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری پاس دوڑتی ہوئی آ کر تمہیں اپنی بانہوں میں لینا چاہتی ہوں مگر۔۔۔۔۔۔ آنسو بہنے لگے۔۔۔۔۔۔ قسمت یہ فیصلہ کر چکی تھی، میں اور تم اسی طرح ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بچھڑ جائیں اور میں کچھ نہ کر سکوں۔

میرے آنسو بارش کی طرح بہنے لگے۔ میں اُس کو صرف دیکھ سکتی تھی۔ اُس نے مجھے اداس بھری نظروں سے دیکھا۔ میں چاہتی تھی، وقت رُک جائے مگر سورج کی پہلی کرن کے ساتھ آہستہ آہستہ سب کچھ مٹتا چلا گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے ہیتوشی غائب ہونے لگا جب میں بے چین ہونے لگی تو وہ مسکرایا اور اپنا ہاتھ ہلا دیا۔ میں نے بھی اپنا ہاتھ ہلایا۔ پیارے ہیتوشی کا خاکہ، بازو، کندھے، چہرے کی لکیریں روشن کر کے اپنے ذہن میں نقش کرنے کی کوشش کی۔ اس کا مٹتا ہوا عکس اور میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کی

گرمی۔ میں نے۔۔۔۔۔۔سب کچھ یاد رکھنے کی کوشش کی۔اُس کے ہاتھ کی لکیروں کا دھندلا نقش ہوا میں رہ گیا۔وہ مٹتا جا رہا تھا، میں اُسے اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں سے دیکھتی رہی۔

کچھ دیر بعد دیکھنے کو کچھ بھی نہ رہا۔سب کچھ معمول کے مطابق ہوگیا تھا۔دریا کا کنارہ روزمرہ کی طرح بالکل عام سا ہوگیا تھا۔میں نے اپنے پہلو میں دیکھا تو اورارا کھڑی تھی اوروہ ابھی تک سامنے دیکھ رہی تھی،ٹوٹے ہوئے دل کی اداسی اُس کی آنکھوں میں تھی۔اُس نے مجھ سے پوچھا۔''تمہیں نظر آیا؟''

''ہاں''میں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''کیا سب کچھ تمہاری امید کے مطابق تھا؟ اُس نے میری طرف مسکراتے ہوئے پوچھا۔میرے دل میں اطمینان کی لہر دوڑی۔''ہاں کچھ ایسا ہی تھا۔''میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ہم دونوں سورج کی دھوپ میں کچھ دیر تک کھڑے رہے۔

ہم کافی پینے کی غرض سے ایک کافی شاپ پر گئے جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی کھلی تھی۔اورارا نے گرم کافی پیتے ہوئے کہا۔''میں یہاں اس لیے آئی تھی کیونکہ میں نے بھی اپنے محبوب کو موت کے حوالے ہوتے دیکھا۔میں اُس کو الوداع کہنے کی امید میں آئی تھی۔

''کیا تم کہہ پائیں؟''

''ہاں''اورارا مسکرائی۔سوسال میں ایک ہی مرتبہ ایسا ہوتا ہے اگر مختلف واقعات ترتیب سے ہوں تو پھر یہ سب کچھ رونما ہوتا ہے۔جو لوگ اس بارے میں جانتے

ہیں، انہیں پتا ہے ایسا واقعہ کسی دریا کے کنارے ہی رونما ہوسکتا ہے۔ کچھ لوگوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ گزرے ہوئے شخص کی بچی ہوئی یادیں جب یاد کرنے والے کی اداسی سے جاملتی ہیں اور پھر یہ نظارہ وجود میں آتا ہے۔ میں نے بھی اس کا تجربہ پہلی بار کیا ہے۔ تم بڑی خوش قسمت ہو۔''

''سوسال بعد'' میرا ذہن سوچنے لگا، میرے پاس اس طرح دیکھنے کا کتنا کم اور نایاب موقع تھا۔

''میں جب اس جگہ کو پہلی بار دیکھنے آئی تو تم مجھے یہاں کھڑی ہوئی ملی تھیں۔ مجھے احساس ہوا، تم نے بھی کسی کو کھویا ہے، اس لیے میں نے تمہیں بھی مدعو کرلیا۔'' اورارا مسکرا رہی تھی اور گفتگو کرتے ہوئے ایک مجسمہ کی طرح ساکت تھی۔

وہ کیسی لڑکی تھی؟ وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ اور اب کہاں جائے گی؟ اُس نے دریا پار کس کو دیکھا۔ میں یہ سوالات اُس سے پوچھ نہ سکی۔

''جدائی اور موت کے دُکھ بہت اذیت ناک ہوتے ہیں مگر محبت کی یاد میں کھوئے رہنا اور یہ سوچنا، اب دوبارہ محبت نہیں ہوسکتی، ایک لڑکی کی قوت کو کھا جاتی ہے۔'' اورارا نے پیسٹری کھاتے ہوئے کہا۔

''اس لیے یہ بہتر تھا، ہم آج آخری مرتبہ ایک دوسرے سے مل کر الوداع کہہ سکیں۔''

''ہاں'' میں نے کہا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اورارا کی آنکھیں نرمی سے بلند ہوگئیں، اس پر سورج کی شعاعیں منعکس ہورہی تھیں۔

ہتوشی ہاتھ ہلا رہا تھا۔ الوداع کر رہا تھا، یہ تکلیف دہ منظر تھا جیسے کوئی روشنی کی کرن میرا دل چیر کر گزر رہی تھی۔

یہ بہتر تھا کہ نہیں؟ یہ مجھے پوری طرح سمجھ نہیں آیا۔ مجھے صرف یہ پتا تھا، دن کی

روشنی میں بیٹھے ہوئے اُس لمحہ کی یاد میرے دل میں بہت دردناک تھی۔ اتنا دکھ تھا ،سانس لینا مشکل ہورہا تھا مگر اورارا کو مسکراتا ہوا دیکھ کر میرے اندر ایک اپنائیت کا احساس تھا جیسے میں کسی قیمتی تصور سے قریب ہوکر آئی ہوں۔ ہوا سے کھڑکیاں بج رہی تھیں۔ بیتوشی کی طرح میں چاہے اپنے دل کی بات کتنی ہی بیان کرلوں، چاہے کتنے آنسوؤں بہالوں، یہ قیمتی لمحہ گزرنے والا ہے۔ یہ تو ہونا ہے، یہی اٹل حقیقت ہے۔ یہ احساس اداسی میں لپٹا ہوا سورج کی روشنی میں چمکتا تھا۔ میں اس اداسی سے بہت تیزی سے باہر آرہی تھی۔ رحمتوں کی برسات میں، میں نے دعا کی۔ مجھے مضبوط بنادے۔

''اب تم کہاں جاؤ گی؟'' میں نے پوچھا جب ہم دکان سے نکل رہے تھے۔

اُس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''ہم پھر کبھی ملیں گے۔ میں تمہارا فون نمبر نہیں بھول سکتی۔''

یہ کہہ کر وہ لوگوں کے ہجوم میں کھوگئی۔ میں نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا اور سوچا

''میں بھی کبھی نہیں بھولوں گی، تم نے مجھے کتنا کچھ دیا ہے۔''

''کچھ دنوں پہلے میں نے ایک منظر دیکھا۔'' ہیراگی نے کہا۔

میں اس کو سالگرہ کا تحفہ دینے گئی جس وقت اُس کے اسکول میں پہنچی، کھانے کا وقفہ تھا۔ میں اسکول کی بینچ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کررہی تھی اور بچوں کو آتا جاتا دیکھ رہی تھی کہ وہ بھاگتا ہوا میری طرف آیا۔ وہ لڑکیوں والا یونیفارم نہیں پہنے ہوئے تھا۔ وہ میرے برابر میں آکر بیٹھ گیا۔

''تم نے کیا دیکھا؟'' میں نے پوچھا۔

''یومیکو'' اُس نے کہا۔ یہ سن کر میرا دل رُک گیا۔

''پرسوں صبح'' اُس نے کہا۔ ''شاید وہ خواب تھا۔ میں نیم غنودگی میں تھا، اچانک سے دروازہ کھلا اور یومیکو اندر آئی۔ یہ اس قدر عام انداز میں ہوا، میں بھول ہی گیا کہ وہ

مر چکی ہے۔میں نے کہا۔''یومیکو''۔وہ مسکرائی اور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔'خاموش'۔وہ میرے کپڑوں کی الماری میں گئی۔لڑکیوں کی یونیفارم نکالا اوراس کو ہاتھوں میں پکڑلیا پھراپنے ہونٹوں سے بنا آواز نکالے''الوداع' کیا اور چلی گئی۔مجھے سمجھ نہیں آیا ،میں کیا کروں اور اسے خواب سمجھ کر دوبارہ سوگیا مگر وہ یونیفارم غائب ہو چکا ہے۔میں نے ہرجگہ ڈھونڈلیا مگرنہیں ملا اورپھر مجھے رونا آ گیا۔''

''کیا ایسا ہوسکتا ہے، یہ واقعہ دریا کے علاوہ بھی کسی جگہ ہو۔وہی دن تھا،وہی صبح تھی۔اورارا جا چکی تھی۔اب اس بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا تھاشاید ہیراگی نے جو کچھ دیکھا تھا اُس سے زیادہ کچھ تھا۔شاید ہیراگی میں اُس واقعہ کو اپنی طرف کھینچنے کی طاقت تھی جوصرف دریا پر ہوسکتا تھا۔

''تمہارے خیال سے میں پاگل ہوگیا ہوں؟''اُس نے مذاق کرتے ہوئے پوچھا۔میں ہنسی ،اُس کوتحفہ دیا جو میں اس کے لیے لائی تھی اور کہا۔''جب ایسا لگے تو صبح کی سیر کرنی چاہیے۔''

ہیراگی بھی ہنسا۔وہاں روشنی میں بیٹھے کافی دیر تک ہنستا رہا۔

ہیتوشی!میں دوبارہ ادھر نہیں آسکتی۔وقت کے ساتھ ساتھ میں آگے جا رہی ہوں۔میں وقت کا بہاؤ روک نہیں سکتی۔میرے پاس اختیار نہیں ہے۔میں ساتھ چلی جا رہی ہوں۔

ایک قافلہ رُکتا ہے تو دوسرا چل پڑتا ہے۔کئی لوگ ایسے ہیں جن سے ملنا ہے،کئی ایسے بھی ہیں جن سے اب دوبارہ نہیں مل پاؤں گی۔ایسے لوگ جو چلے جاتے ہیں،اس سے پہلے آپ اُن کو جان سکیں۔ایسے لوگ جو گزر جاتے ہیں مگر ہم پھر بھی ایک دوسرے سے روشناس ہوتے رہتے ہیں۔ایسے لوگ ایک دوسرے کے آرپار دیکھنے کی سکت رکھتے ہیں۔

مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے بہتے دریا کے ساتھ بہنا ہوگا۔

میں دل سے دُعا کرتی ہوں کہ میرے اندر کی بچی کے احساسات ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں۔

ہاتھ ہلاتے ہوئے الوداع کرنے کا شکریہ۔



بانانا یوشی موتو

اس مقبول ناول ''کچن'' کی ناول نگار ''بانانا یوشی موتو'' کا تعلق جاپان سے ہے، جہاں ناول تخلیق کرنے والے کئی بڑے نام پیدا ہوئے، جن میں 2 نوبیل انعام یافتہ ناول نگار ''یاسوناری کاواباتا'' اور ''کنزابورو ئے'' بھی شامل ہیں۔ جاپانی ادب کے عہد جدید میں ان ادیبوں کی تحریریں پڑھنے والوں کو سحر میں مبتلا کردیتی ہیں۔ ''بانانا یوشی موتو'' جاپان کے شہر ٹوکیو میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد اور بہن جاپان کے مقبول کارٹونسٹ ہیں۔ لبرل ماحول میں پرورش پائی۔ نیہون یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ ادب کو خاص طور پر پڑھا۔ بانانا پھولوں سے محبت ان کے نام کا حصہ بن گئی۔ 1986ء میں انہوں نے ''مون لائٹ شیڈو'' لکھ کر پیشہ ورانہ ادب کی بنیاد رکھی۔ اب تک تقریباً 12 ناول لکھے جن کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہوئے اور ان کے ناولوں کو کئی انعامات سے بھی نوازا گیا۔

''بانانا یوشی موتو'' نے یہ ناول جاپانی زبان میں لکھا۔ ان کا یہ ناول سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور مختلف ممالک سے شایع کیا گیا۔ جن ممالک کی زبانوں میں یہ ترجمہ ہوا، ان میں فرانس، یونان، سویڈن، اسپین، نیدرلینڈ، ناروے، روس، فن لینڈ، اٹلی، برطانیہ، ڈنمارک، پولینڈ، ہنگری، رومانیہ، کوریا، چین، ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، تائیوان، ویت نام، اسرائیل، ترکی، امریکا شامل ہیں۔ جاپان میں اس ناول پر 2 فلمیں بھی بن چکی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ناول بے شمار ادبی اعزازات بھی اپنے نام کرچکا ہے۔



خرم سہیل

خرم سہیل پیشے کے لحاظ سے صحافی ہیں۔ انہوں نے جامعہ کراچی سے ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کرنے کے بعد مختلف قومی اخبارات میں کام کیا۔ کئی برس تک ریڈیو پاکستان اور ایف ایم 101 سے بھی منسلک رہے اور سنجیدہ تھیٹر سے بھی وابستگی رہی۔ ان دنوں یہ ڈان اردو کے آن لائن ایڈیشن کے لیے بلاگز لکھتے ہیں۔ ان کی 4 کتابیں، باتوں کی پیالی میں ٹھنڈی چائے (ادب وثقافت کے متعلق انٹرویوز کا مجموعہ) سُر مایا (موسیقی سے متعلق انٹرویوز کا مجموعہ) سُرخ پھولوں کی سبز خوشبو (جاپان اور پاکستان کے ممتاز ادیبوں اور اہل قلم کی تحریروں کا مجموعہ) قلم سے آواز تک (بی بی سی اردو سروس کے براڈکاسٹر رضا علی عابدی کی سوانح حیات) شایع ہوچکی ہیں۔ جاپان کے اس مقبول ترین ناول ''کچن'' کا اردو زبان میں انہوں نے ترجمہ کیا ہے۔

ISBN NO.
978-969-9927-02-7

RAHEEL
PUBLICATIONS

PRICE
Rs : 300/-

URDU BAZAR KARACHI. CELL: 0321-8762213